جلد ۴ دربار نمبر نمبر ۳

ایڈیٹر
شیخ عبدالقادر بی۔ اے

مخزن

اُردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

مادۂ تاریخ ہجری
(از نواب عزیز جنگ بہادر)
"جشن دربار نامی قیصر ہند"
سنہ ۱۳۲۰ھ

مادۂ تاریخ عیسوی
(از نادر کاکوروی)
یہ قطعہ جشن سال جلوس تاجدار
"کہ ایڈورڈ ہفتم شہ ہند جہانگیر ہے"
سنہ ۱۹۰۳ء

نو کروڑ ہندوستانی اُردو بولتے ہیں۔ اور اسی قدر اور ہندوستانی اُردو سمجھتے ہیں۔

○ ان شہروں میں اُردو مادری زبان ہے □ ان شہروں میں اُردو مروج ہے ⊕ ان شہروں میں اُردو سمجھی جاتی ہے۔

خادم التعلیم پنجاب پریس لاہور میں منشی محمد عبدالعزیز کے اہتمام سے چھپا
اور شیخ عبدالقادر بی۔ اے مالک و ایڈیٹر نے شائع کیا

فہرستِ مضامین

		صفحہ
اہلِ قلم کی طرف سے مُبارک	ایڈیٹر	۱
شاہجہان آباد	(نظم) حبیب کنتوری	۴
ذوقِ سلیم	شیخ محمد اکرام (از لاہور)	۱۱
منطقۂ حارّہ	سیّد شریف حسین بی۔اے (از الہ آباد)	۱۷
آخر وقت	سیّد سلیمان بہاری	۲۶
موجودات	محمد ظفر علی خاں بی۔اے (حیدر آباد)	۲۹
پٹنہ	علی محمود صاحب (از بانکی پور)	۳۳
ابو ظفر بہادر شاہ	مرزا محمد سعید دہلوی	۳۵
پرانے لکھنؤ کی ایک جھلک	لالہ سری رام۔ایم۔اے (از دہلی)	۴۰
تصویرِ یاس	حاجی محمد خاں (از علیگڈھ)	۴۵
دہلی اور دربار	منشی کنہیا لال بشر (از گوالیار)	۵۱
تہنیتِ جشنِ چوبشی	محمد صادق علی خاں (از سری نگر)	۵۳
اضطرابِ شوق	پروفیسر شہباز (اورنگ آباد)	۵۷
وادیِ فنا	شوکت علی خاں۔فانی۔بی۔اے	۵۸
برسات	شہاب الدین خاں۔بی۔اے (از بھاگلپور)	۵۹
کمالِ حسن	میر نذیر حسین احمد (از انبالہ)	۶۰
رام کہانی	ابو النصر علام یٰسین آہ (از کلکتہ)	۶۲
ہمت و تدبیر	سیّد علمدار حسین (از پٹیالہ)	۶۵
بزرگانِ عظیم آباد	میر علی محمد شاد رئیسِ عظیم آباد	۶۹
ترجمۂ شیکسپیر	محمد اظہر علی۔کاکوروی	۷۲
شعر ایک آرزو	شیخ محمد اقبال ایم۔اے پروفیسر گورنمنٹ کالج (از لاہور)	۷۵
انگریزی لباس	خانصاحب سیّد اکبر حسین صاحب سب جج (از الہ آباد)	۷۹
جوگی	چوہدری خوشی محمد ناظر پرسنل اسسٹنٹ کمشنر بندوبست (سری نگر)	۸۱
انسان کی فریاد	میر نیرنگ بی۔اے۔وکیل (از انبالہ)	۸۶
نامۂ حسرت	مولوی حبیب الرحمٰن خاں رئیسِ بھیکم پور	۸۸
تازہ غزلیں		۹۱
کچکول		۹۴

مخزن

اہل قلم کی طرف سے مبارکباد

آج اس وسیع ملک کے ہر گوشے میں جشنِ تاجپوشی کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ رعایا کا ہر طبقہ ہر ملت و مذہب کے لوگ۔ پیر و جوان۔ شادمانی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور ہندوستان کے قدیم پایۂ تخت میں تو جشنِ مہتابی اور تختِ طاؤس کے زمانے کا سماں ایک دفعہ پھر نظروں میں پھر گیا ہے اور تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ مبارکباد کا ایک غلغلہ ہے۔ کہ جس سے آسمان گونج رہا ہے۔ اور ہر طرف سے تہنیت نامے اور مبارکبادیوں کے پیغام نائب السلطنت کی آستانِ دولت کو چوم رہے ہیں۔ اس وقت میں ہم اگر یہ کہیں۔ کہ ہم بھی کروڑوں بندگانِ خدا کے ساتھ جو زیرِ سایۂ برطانیہ رہتے ہیں اور اس وقت اظہارِ وفاداری و شکر گذاری میں مصروف ہیں۔ شریکِ تہنیت ہوتے ہیں۔ تو ایک بے اثر بات ہوگی۔ اس عظیم الشان سلطنت کی رعایا کے دریائے ناپیدا کنار میں ایک قطرہ کی کیا حقیقت ہے۔ ؎

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید — خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم — گر او ہست حقّا کہ من نیستم

ہاں ایک منصب ادائے مراسمِ تہنیت کا ہمیں حاصل ہے۔ جو باعثِ امتیاز ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ ہم ملک کی زبردست اور طاقت ور اور دن بدن ترقی کرنے والی جماعت کی طرف سے جن کے

ہاتھ میں قلم ہے۔ اور جو اس کے ذریعہ ملک و سلطنت کی خدمت کر رہے ہیں۔ اظہارِ خلوص و نیاز کیشی کریں اور اُن کی جانب سے حضور پُر نور ہز امپیریل مجسٹی ایڈورڈ ہفتم شاہ انگلستان و قیصر ہند و ستان کو سریر آرائی سلطنت پر دلی مُبارکباد دیں۔ ہر ملک کی بُنیاد اصل میں دو قوتوں پر ہوتی ہے۔ اہلِ سیف اور اہلِ قلم۔ اور باقی سب قوتیں ان طاقتوں کے تابع ہوتی ہیں۔ خوش نصیبی سے سرکار برطانیہ کو اہلِ سیف تو ایسے ملے ہیں۔ کہ دُنیا کے جس حصّے میں انہیں اپنی سپہگری کے جوہر دکھانے کا موقعہ ملا ہے۔ وہیں اُن کی دھاک پڑ گئی ہے اور سرکار کی افواجِ ہند کی جفاکشی بہادری اور آزمودہ کاری کی داد بے ساختہ دشمنوں کی زبان سے بھی نکلی ہے۔ اس طبقہ رعایا کے ساتھ سرکار کا سلوک بھی ایسا ہے جیسا چاہیئے۔ اور دن بدن اُن جانباز دلیروں کی ترقی زیرِ غور ہے۔ اب رہے اہلِ قلم۔ اِن کا بھی بیشتر حصّہ امن و آزادی کی برکتوں کے اعتراف میں عموماً نغمہ سرا رہتا ہے اور یہ بھی دُعاگوئے دولت ہیں۔ گو انہیں شکائت ہے کہ ان کے فن کی وُہ قدردانی نہیں ہوئی جو ان کا حق ہے۔ لوگوں کے سر اور لوگوں کی جانیں تو اہلِ سیف کے قبضہ میں ہیں۔ مگر یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ کامیاب اہلِ قلم کے ہاتھوں میں لوگوں کے دل ہیں۔ اور اگر برطانیہ اپنی رعایائے ہندی کے دلوں پر حکمرانی کرنا چاہے تو اُسے اہلِ قلم کو اپنا بنانا چاہیئے۔ یہ مطلب نہیں کہ اب وُہ کچھ بیگانے ہیں۔ یا کہیں خدمت سے بھاگے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ کہ اُن سے وُہ کام نہیں لیا جاتا۔ جس کے لئے وہ اس قدر موزون ہیں۔ جو کچھ بن پڑتا ہے۔ بیغرضانہ طور پر کر بھی رہے ہیں۔ مگر ان کی جماعت گوش برآواز بیٹھی ہے۔ کہ ملکہ یا سرکار اُن سے کوئی خاص خدمت لے :-

مہرباں ہو کے بُلا لو مجھے چاہو جس وقت — مَیں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

اِس مُبارک موقعہ پر جو جشنِ جلوس کے ساتھ روزِ عید و نوروزِ سعید بھی ہے۔ وُہ دُرہائے مضامین جو اِن تاجدارانِ مُلکِ سخن نے بلا دریغ تاج شاہی پر نثار کئے ہیں۔ اِس قابل ہیں۔ کہ دریا کے موتی ان کے سامنے عرقِ شرم میں ڈوب جائیں اور کانوں کے جواہر اُنکے سامنے ماند پڑ جائیں

آج کا یہ مخزن اس خصوصیت پر ہمیشہ ناز کریگا۔ کہ اسے نہ صرف شاہِ جمجاہ اور ملکۂ ذیشان کی تصویروں اور ہز اکسلنسی لارڈ کرزن و لیڈی کرزن کے ہر دلعزیز نقوش سے زینت ملی۔ بلکہ اِسے اس بات پر بھی فخر ہوگا۔ کہ اُن تاجدارانِ ذی وقار کے زیرِ سایۂ ملک کے اُن ناظموں اور ناثروں کی بھی تصویریں زیبِ اوراق مخزن ہوئیں۔ جن کا مخزن پر احسان ہے۔ اِن تصویروں میں مخزن کے سارے قلمی معاونین رونق افروز نہیں۔ اور ممکن ہے کہ ایک مرقعہ اور شائع کرنا پڑے۔ مگر جو ہیں۔ اُن سے رسالہ کی جامعیّت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان میں پُرانی تعلیم کے نمونے بھی ہیں اور نئی تعلیم کے نتیجے بھی۔ اُن میں ولائت کے تہذیب یافتہ احباب بھی ہیں اور یہاں کے کالجوں کے تربیت یافتہ بھی۔ اُن میں وُہ بھی ہیں جو ابھی کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور جن کی طبّاعی۔ ذہانت اور شوق ترقی کے ساتھ ملک و قوم کی ترقی کی امّیدیں وابستہ ہیں۔ اُن میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ اور یہ سب اہلِ قلم۔ مترجم۔ مولّف یا مصنّف شاعر یا نثّار اس اظہارِ مسرّت اور تہنیت میں ہمارے ہمزبان ہیں اور اخلاص کے پھول ارادت کے ہاتھوں سے نمکحلالی۔ وفاداری اور سپاس گذاری کے معبد پر چڑھا رہے ہیں۔ ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ایڈیٹر

عربی بول چال۔ یُوں تو عربی زبان ایک عرصے سے اس ملک میں کُتب مذہبی اور علمی میں مروّج ہے۔ اور مسلمان اُسے مقدّس سمجھکر سیکھتے ہیں۔ مگر جو ضرورت ہر زباندانی کے متعلق آج کل محسوس ہُوئی ہے۔ کہ جس زبان کو کوئی سیکھے۔ اُس میں آسانی سے گفتگو کر سکے۔ اُس کے واسطے کُتب درسی میں سامان موجود نہیں۔ حافظ عبد الرحمٰن صاحب امرتسری سیّاحِ مصر و روم ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ اُنہوں نے اپنے سفر و سیاحت سے ملک کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے اور مروّجہ روزمرہ عربی کے سیکھنے کے لئے یہ کتاب چھاپ کر آسانی مہیّا کر دی ہے۔ مصر جانے سے پہلے بھی حافظ صاحب عربی میں خوب دستگاہ رکھتے تھے اور کتاب الصرف و کتاب النحو انکی مقبول تالیفات ہیں۔ مگر سفر مصر اُن کے لئے سونے پر سہاگا ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ کتاب ہے۔ جس کا اشتہار زمرہ اشتہارات میں درج ہے۔

ہستناپور

ہمارا قصد تھا کہ اس مبارک موقعہ پر دہلی کا کچھ تاریخی حال نثر میں ایڈیٹوریل کے حصہ میں لکھیں اور اس لئے اس مہینے کے پہلے چند صفحے چھوڑ کر کاپیاں لکھوانی شروع کی تھیں - مگر آخر دسمبر کو یہ نظم ہمارے کرمفرما مولوی سید محمد کاظم صاحب حبیب کنتوری یادگار حضرت ناسخ مرحوم کا عطیہ پہنچی - اس میں وہ سب مطالب جو ہم نثر میں لکھنے کو تھے - اس خوبی اور اختصار سے نظم ہوئے ہیں - کہ اپنا مضمون ترک کر کے اس کو ہی ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے - اب کے نظم نثر سے بہت بڑھ گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے - کہ حالتِ جوش میں بے اختیار کلام موزون ہوتا جاتا ہے - مگر اس موقعے کے لئے نثر کے خشک فقروں کی بجائے بلبلانِ ہند کے ترانے ہی زیادہ مناسب تھے - اس لئے ہم نے بلا دریغ نظم کے لئے نثر کے مضمون روک کر جگہ نکالی ہے اور خصوصاً یہ مضمون اگر اسے اس حصہ میں نہ چھاپتے تو اس دفعہ شائع نہیں ہو سکتا تھا - کیونکہ باقی سب رسالہ تیار ہو چکا ہے - صرف یہی چند صفحے باقی تھے - جو حضرت حبیب کے حصے میں آ گئے - کس بے ساختہ پن کے ساتھ تاریخی واقعات کو نظم فرمایا ہے :-

ہے یاد آے ہستناپور اگلی تیری دولت و عظمت — وہ مال و زر کی افزونی وہ عظم و شان وہ شوکت

نظر میں ہیں برہمن ویس شدر اور چھتری تیرے — دلوں میں تیری وہ عزت زبانوں پر تری شہرت

نہیں بھولے وہ تیرے راج دہانی اور چتر دہاری — کہیں چلتے ہیں سنگھ[۱] جنکے ابھی تک اور کہیں سمبت

زمیں تیری کسی دن آسماں تھی اُن ستاروں کی — یقیں تھا جنکو انکی چاند سورج سے ہوئی خلقت

یہ تھا کل ہند میں عالم علو و شان کا اُن کی — رعایا دل سے کر لیتی تھی اقرارِ الوہیت

کوئی تاریخ اپنی گو نہ لکھی ان حکیموں نے — فسانوں نے جو رکھی ہے پر اب تک وہی ہیبت

ہزاروں سال تھیں فرمانروا وہ آریہ نسلیں — مہابھارت کے افسانہ سے ہے جنکی عیاں قوت

وہ پانی پت کا میداں اور وہ فوجوں کے دل اُنکے — خبر دیتے ہیں زور و پُردلی کی کچھ بہر صورت

[۱] سکھ اور ساکھ یعنی سنہ و سال جو سال شالیواہن کے ساتھ دکن میں رائج ہے -

اگر پوچھے کوئی گردوں سے وجہ بادیہ گردی[1] تو کہتے ہیں کہ پہنچی ہار کر بنڈڑوں سی یہ نوبت
نہیں گو فاتح و مفتوح میں کچھ فرق باقی اب مگر لیں انتقام اجداد کا پائیں اگر فرصت

حکومت آریہ میں تو نے پرتھی راج تک رکھی
خصومت باہمی محفوظ لیکن آج تک رکھی

اُٹھی پھر تیرے چہرے سے نقاب اے شاہد زیبا ہوا مغرب سے ظاہر اک نیا دلدادہ و شیدا
ہزار و یکصد و سہ بر نود سالِ مسیحی تھے کہ پرتھی پر شہاب الدیں گرا تیرِ شہاب آسا
دکھایا ٹوٹ کر جوشِ حمیت رائے پرتھی نے فراہم کر لئے اپنی مدد کو ڈیڑھ سو راجا
پیادے اور سوار اکجا ہوئے تھے تین لاکھ ایسے تھا جن سے رشکِ میدانِ قیامت عرصۂ ہیجا
ہزاروں دیوِ سیرت پیل جنگی ساتھ لائے تھے کہ جن کے آگے مشکل تھا سواروں کا قدم جمنا
مگر وقتِ سحر جب کر دیا حملہ مخالف نے تو سوتے جاگ اُٹھے لیکن مقدر یک بیک سویا
بڑی چستی سے دی دادِ شجاعت راجپوتوں نے سپاہِ غور و غزنیں پر کیا ہر سمت سے دھاوا
قدم گو اُٹھ گئے پہلے جوشِ ترک و افغاں کے شہاب الدیں مگر کچھ ہٹ کے پیچھے دفعتاً پلٹا
کمانیں سب نے رکھ لیں دوش پر سیدھے کئے نیزے کیا مہمیز گھوڑوں کو گرے اکبار برق آسا
شکستِ فاش فوجِ ہند کو دی ایک ہلے میں ہوا پرتھی گرفتار اس کا لشکر کٹ گیا سارا

کشش نے تیری باندھا عقدِ اُلفت غیر سے محکم
رہی پھر کچھ دنوں بنیادِ اُلفت خیر سے محکم

تھے باشندے ترے دلدادہ تازہ رسم و آئیں کے بنایا غوریوں کو حکمراں بعد اہلِ غزنیں کے
پھر اُن کے بعد اختر خلجیوں کے تخت کا چمکا اُٹھے کاموں پہ جن کے شور ہر جانب سے تحسیں کے
تغیر ہوتے ہوتے تغلقوں کا دور آ پہونچا تری بنیادیں محکم ہوئے آثار تزئیں کے
کیا پھر اہلِ فرغانہ کو اپنا والہ و شیدا بہا خوں ملک میں تختے کھلے گلہائے رنگیں کے

[1] ایک خانہ بدوش قوم جو اب تک دکن میں پائی جاتی ہے۔

بنایا تختگہ پھر تجھ کو اپنا آ کے بابر نے یہاں جو آدمِ ثانی ہیں تیموری سلاطیں کے
کھائے سور ماں سوری ہٹا کر گو ہمایوں کو کیا نظم و نسق ڈنکے بجائے اپنے آئیں کے
مگر نکلا وہ ایسا عزم و استقلال کا پُتلا چمک نے جس کی رُخ پلٹا دیئے ہر ناتوان ہیں کے
وُہ آبِ رفتہ جب ایراں سے جُوئے ہند میں آیا تو بوسے فتح و نصرت نے لئے دستِ نگاریں کے
ابھی تک سرمۂ اہلِ نظر ہے خاکِ پا اُس کی خطِ تقدیرِ اہلِ ہند ہیں طغرے فرامیں کے
اُسی کو گوشۂ دامانِ مادرِ خاکِ دہلی ہے جبینوں پر ہیں نقش ابتک اُسی کے سنگِ بالیں کے

اُسی کے صُلب سے پیدا ہوا تھا اکبرِ اعظم
زمیں پر تیری جو چمکا تھا بنکر نیرِ اعظم

وُہی اکبر مسلّم آجتک ہے منزلت جس کی شہنشاہی بنی ہندوستاں میں سلطنت جسکی
مسخّر کر لیے بائیس صوبے جس نے حکمت سے برہمن مان کر اوتار سب کرتے تھے پت جسکی
لقب تھا نورتن آفاق میں جس کے مشیروں کا مٹا دیتی تھی از خود کفر و دیں کا فرقت جسکی
وُہ شاہِ صلح جو آئین جس کا صوفیانہ[1] تھا سمجھکر مظہرِ حق کرتے تھے صوفی صفت جسکی
بجائے خود عقیدت محترم ایسا سمجھتی تھی بلا تشبیہ کلمہ کفر کا تھی منقصت جس کی
رقم اللہ اکبر جائے بسم اللہ ہوتا تھا وہ کیسا ہوگا تھی ذات ایسی عالی مرتبت جسکی
مروّج کر گیا ایسے طریقے ملکداری کے کہ صدہا سال سے محتاج تھی یہ مملکت جسکی
رکھا پلّہ برابر فاتح و مفتوح کا جس نے کرامت بنگئی تھی ہند میں انسانیت جس کی
وُہ جس نے نیمہ و جامہ کو اپنے تن سے زینت دی وُہ اکبر درسِ اُلفت دے رہی تھی تربیت جسکی
وُہ جس نے کر دیا مربُوط یُوں اجزائے دولت کو نہ پائیگی نظیر اب تا قیامت عافیت جسکی

زمیں میں آگرہ کی چین سے سوتا ہی جواب تک
کیا وُہ اُس نے اسکے بعد سے ہوتا ہی جواب تک

[1] آئین اکبری میں ایک باب آئین صوفیانہ بھی ہے۔

شہاب الدین خرم نامور اکبر کا پوتا تھا — لقب جس نے تجھے شاہِ جہان آباد کا بخشا
ترقی اس گھرانے میں رہی پیہم چھ پشتوں تک — بڑھا جاہ و حشم بابر سے تا اورنگ زیب اچھا
ہوا مرتے ہی عالمگیر کے کچھ اور ہی عالم — لڑائی چھڑ گئی آپس میں شورش کا ہوا چرچا
ہوئی فکر اپنی اپنی سب ہوا خواہانِ دولت کو — ہر اک جا ملک بھر میں فتنۂ خوابیدہ جاگ اٹھا
ہوئی غفلت مسلط وارثانِ ملک و دولت پر — ہوائیں عیش و عشرت کی چلیں بختِ جواں سویا
سوجھائیں حرصِ دولت نے بری باتیں وزیروں کو — بٹھایا جس کو چاہا تخت پر مارا جسے چاہا
ہزاروں سازشیں ہونے لگیں ہر ایک پردہ میں — ملا جو جسکو اک لٹتے ہوئے گھر سے وہ لے بھاگا
مدبر اور دانشمند بھی گر ان میں تھا کوئی — تو کر سکتا تھا کیا جب غیر ممکن ہو گیا چارا
بڑھائے پاؤں اپنی حد سے بیرونی حریفوں نے — کبھی نادر بڑھا اور گاہ احمد شاہ اٹھ دوڑا

سکھوں نے سر اٹھایا پاؤں پھیلائے مرہٹوں نے
اجاڑا بستیوں کو شہر لٹوائے مرہٹوں نے

وہ اک مجبور جسکو تخت دہلی پر بٹھاتے تھے — تھا کٹھ پتلا جسے خواہش کے تاروں پر چلاتے تھے
نہ تھا خوفِ خدا دل میں نہ کچھ شرمِ خلائق تھی — بناتے تھے گھر اپنے ثروتِ شاہی مٹاتے تھے
ستم کا داؤں تھا ہر ایک فرمان ملک داری کا — بھری ندی میں گویا ناؤ کاغذ کی چلاتے تھے
فلک پر جاتی تھیں دن رات فریادیں رعایا کی — چھری بے آب مظلوموں کی گردن پر پھراتے تھے
ہوا کرتے تھے ہر جا حصے بخرے ملک شاہی کے — مدد کے واسطے ملکوں سے شاہوں کو بلاتے تھے
اسی میں پھنستے تھے آخر کو خود اپنی حماقت سے — جو ہمسائے کی خاطر دامِ بدعہدی بچھاتے تھے
بپا شورش تھی شہروں میں تو خطرہ ساری راہوں میں — وہ لٹ کر گھر میں آتے تھے جو باہر گھر سے جاتے تھے
ہوئی تھی ہند میں خودسر حکومت ہر جگہ قائم — اسیرِ کنجِ غفلت تھے جو شاہنشہ کہاتے تھے
خراج و باج تھا موقوف ابتر سب سر و ساماں — بمشکل تاجدارِ وقت ما یحتاج پاتے تھے
نہ تھا شغل انکا غیر از عیش و عشرت فاقہ مستی میں — تباہی کی دھن اس میں تھی جو گانیوالے گاتے تھے

نہ ہمدا سے رغبت تھی نہ رنجِ قلتِ لشکر
قناعت آرہی تھی پیشِ خیمہ فقر کا بنکر

یہ بے پروائیاں دیکھیں جو تونے اپنی جانب سے — مدد چاہی دکھا کر حالِ زار اپنا اجانب سے
جنھیں نا آشنا ہم انکو بنایا آشنا آخر — دکھائی سب کو شانِ دلبری ہر ایک قالب سے
گوا سے خواستگاری کرنے پہلے پرتگیز آئے — لگاوٹ تونے معشوقانہ کی ہر ایک طالب سے
فرانسیس آئے اُن کے بعد سودائے رقابت میں — سوا جذبِ حقیقی تھا ترا ہر ایک جاذب سے
زرُوئے بے نیازی تونے دونوں سے کہا ٹھہرو — ہوا برہم نہ سُنکر حالِ دل عرضِ مطالب سے
یہ شانِ دلبری حاصل ہو کسکو اے بُتِ خوبی — غرض مطلق نہیں عشاق کے کیش و مذاہب سے
کرامت ہے جمال و حسن پر اے شاہدِ رعنا — تامّل اندیش بنکر باخبر ہونا عواقب سے
ہر اک بیم و رجا میں تھا نہ تھی اسکی خبر مطلق — ہوا ہے تو عطا کس قوم کو اللہ واہب سے
ہے ایسا کون مہدِ امن جو تجھ کو بنائے گا — بہ آسانی کسی دن چھین کر ہر ایک غاصب سے
ہے شایاں اُسکا وہ دارائے داد و دانش و دولت — جو عزم و زور و زر میں ہو سوا ہر ایک غالب سے

نباہی سہ صد و سی سال گو مغلوں سے بھی اُلفت
مگر نا قابلیت سے وہ ٹھہرے قابلِ نفرت

یہی مذکور سب کے سامنے تیری زباں پر تھا — کلیجہ ہے لہو پیاروں کا پیہم خوں بہا اتنا
ہوا درپیش ایسا آئے دن کی خانہ جنگی سے — کہ ہے ماتم کدہ وہ گھر جو تھا عشرت سرا میرا
محبت باپ بیٹے میں نہ اُلفت بھائی بھائی میں — لہو جو لال تھا وہ ہو گیا دیکھو سپید ایسا
نفاق و کینہ و بغض و حسد کی حد نہیں کوئی — بجائے یکدلی ہے اِک لہو کا ایک کے پیاسا
نہ پاسِ دین و ایماں ہو نہ فکرِ نفع و نقصاں ہے — تعلّم کا ہو مذکور اور نہ ہے تعلیم کا چرچا
کدھر کی حبِّ قومی اور کیسا ذکرِ ہمدردی — وفا کیا چیز ہے اخلاق کیا شے ہو ادب کیسا
قیامت کا ہو ڈر کسکو کسے فکرِ معیشت ہے — ڈبویا ہر طرح اولاد نے نامِ جد و آبا

مغل ہیں یہ افغاں شیخ یہ ہیں اور یہ سیّد
زیاں کار و حماقت پیشہ و جہل آشنا سوا

برہمن چھتری ہیں آجکل کے شُدر سے بدتر
بنج بیپار کیسا بیس نکلے ہیں دغا پیشا

انہیں ہنستی ہیں سب روتا ہے مجھ کو جنکی قسمت پر
سنبھالے گا انہیں جواب وہ میر اکمراں ہوگا

کوئی ہو ایشیائی حکمرانوں سے ہے اب نفرت

کرگئی ٹھیک برطانیہ عظمٰے مری حالت

کیا اندازہ جب اس طرح تو نے اپنی حالت کا
تو رکھا تاج اُس فرق ہمایوں پر حکومت کا

سرِ عزّت ہمارا عرش تک پہنچا دیا جس نے
بہت کم ہے ادا ہو شکر جتنا اس عنایت کا

کئے تھے تو نے گو پہلے بھی اس کے انتخاب ایسے
کہ پایا کم کسی نے مدتوں موقعہ شکایت کا

مگر یہ انتخابِ آخری ہے بے بدل ایسا
زبانوں کو نہیں باقی ہے یارا جس کی مدحت کا

ملی تھیں عزتیں گو تجھ کو پہلے حکمرانوں سے
مگر نعمت کے اندازہ ہی پر ہے شکر نعمت کا

میسّر تھا کوئی فرمانروا کس دن تجھے ایسا
ہو پانچوں برّاعظم پر اثر جس کی حکومت کا

سوا ہر برّ اعظم کے ہو وہ کل بحر کا مالک .
بنے زنجیر پائے مہر[1] حلقہ اس کی دولت کا

سبک نوشیرواں کے عدل کا پلّہ ہے جس سے
کرے آفاق میں بازار گرم ایسا عدالت کا

ہر اک جا ایشیا سے تا بہ یورپ جس کا سکّہ ہو
بھریں افریقہ و امریکہ میں دم سب اطاعت کا

جہاں سے نام کلفت سر بسر جس نے مٹایا ہو
رعایا کے لیئے کھولا ہو در آرام و راحت کا

نہ یوں روشن ضیائے علم سے آنکھیں ہماری تھیں

تھی کب یہ تار برقی اور کہاں یہ ریلیں جاری تھیں

بھلا دودی جہاز اسطرح کے کس نے بنائے تھے
یہاں یورپ سے کس دن لوگ دو ہفتہ میں آ جاتے تھے

ہے آساں جا کے پڑھنا جس طرح کیمبرج کالج میں
کبھی کلکتہ سے دہلی میں یوں طلّاب آتے تھے؟

بہت دشوار تھا بغداد سے جانا بخارا تک
کسی نے کب یہ طیّ ارض کے سامان پائے تھے

[1] یعنے سلطنت برطانیہ میں کسی وقت آفتاب غروب نہیں ہوتا۔

مصیبت شام والوں کے لئے تھا مصر کا جانا
کسی کو خضر نے بھی راستے ایسے دکھائے تھے؟

نظر آئے تھے کب سامان ایسے حفظِ صحت کے
ہمیں کب یہ سبق اربابِ حکمت نے پڑھائے تھے

ہوئی تھی پرورش کب قحط میں ایسی رعایا کی
زمیں پر کس نے ایسے فیض کے دریا بہائے تھے

کسی تاریخ میں اس کی نظیریں مل نہیں سکتیں
سلیقے سچی ہمدردی کے ایسے کس نے پائے تھے

ہوئی ہے تاجپوشی کتنے ہی شاہانِ یورپ کی
سمندر پار کس نے ہند سے مہماں بلائے تھے

دعا یہ ہے رہے دائم یہ نظمِ مملکت قائم
نئے ساماں سے یوں تیرے مکاں کس نے سجائے تھے

یہ برقی روشنی دیکھی تھی پہلے کس کی آنکھوں نے
گلِ صنعت کسی کے ہاتھ نے کب یوں کھلائے تھے

یہ عظمت ایک سماں کرتے تھے شاہانِ جہاں کسکی
تھی عالی رتبہ مادر قیصرِ ہندوستاں کسکی

نشاط و تہنیت کے جانفزا ساماں ہیں دہلی میں
بہارِ عشرتِ تازہ کے گل خنداں ہیں دہلی میں

ہوا ہے بعد مدت کے یہ جلسہ تاجپوشی کا
شگفتہ ہر طرف امید کی کلیاں ہیں دہلی میں

ہیں جتنے ہند کے نوّاب راجہ اور مہاراجہ
مع خیل و حشم وہ آجکل مہماں ہیں دہلی میں

فسانہ ہو گئے ہیں جشن اگلے بادشاہوں کے
فروغِ ہر نظر بام و در و ایواں ہیں دہلی میں

نگارستانِ چینی کیوں نہ گر جائے نگاہوں سے
ہزاروں نقشِ صنعِ اہلِ انگلستاں ہیں دہلی میں

وہ مہر و ماہ و اختر نکلے جو افلاکِ یورپ سے
خدا کی شان دیکھو آجکل تاباں ہیں دہلی میں

بہت دن تک نہ بھولے گا یہ دربارِ شہنشاہی
جو ہیں سرتاجِ ملک و قوم وہ انساں ہیں دہلی میں

یہ جلسہ ایشیا میں جشنِ جمشیدی کا ثانی ہے
وہ بانی دیسرائے قیصرِ ذیشاں ہیں دہلی میں

عجب مدح خواں مجبوریوں سے دور ہیں لیکن
انہیں میں سے ہے یہ جو بادلِ شاداں ہیں دہلی میں

رہے قائم یہ مالک تختِ و تاجِ ہند و لنڈن کا
مباہی جس کے سارے تابعِ فرماں ہیں دہلی میں

شہنشاہِ زمانہ قصرِ عدل و داد کا بانی
پناہِ مملکت ایڈورڈ ہفتم قیصرِ ثانی

ذوقِ سلیم

ہیوم انگلستان کے مضمون نگارانِ نثر میں پایہ عالی رکھتا ہے۔ اور اس کے خیالات پاکیزہ گنجینۂ معانی ہوتے ہیں۔ بعض طبیعتوں میں جو ہر چیز کے اثر کو جلدی محسوس کرنے کی خاصیت کمزوری کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اور باعثِ تکلیف و نقصان ہوتی ہے۔ اُسکو ذوقِ سلیم سے متمیز کرنے کے متعلق اس مصنّف نے اپنے ایک مضمون میں دلچسپ بحث کی ہے۔ جس کا ترجمہ شیخ محمد اکرام صاحب نے کرکے بھیجا ہے :-

بعض لوگوں کو قدرتی طور پر سرعتِ احساس کی خاصیّت عطا ہوئی ہوتی ہے۔ وُہ زندگی کے ذرّہ سے ذرّہ واقعات سے بھی اثر پذیر ہوتے ہیں اور جب کہیں ذرا سی بھی کامیابی کی جھلک نظر آوے تو خوشی سے پھُولے نہیں سماتے۔ اور جب کہیں مصیبت یا تکلیف کا سایہ بھی پڑ جائے تو بارِ غم میں دب جاتے ہیں۔ عنایت اور مہربانی نہایت آسانی سے اُن کے دِل کو تسخیر کر لیتی ہے اور خفیف سی ایذا بھی اُن کے کینہ کی آگ کو بھڑکا دیتی ہے۔ عزّت و توقیر سے وُہ نہایت باغ باغ ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں حقارت سے دیکھا جائے تو ویسے ہی زیادہ کُڑھتے ہیں۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ اس طینت کے آدمی بہ نسبت دھیمے آدمیوں کے خوشی کو بھی زیادہ محسُوس کرتے ہیں اور ویسے ہی غم واندوہ بھی اُنکے لئے زیادہ جان فرسا ہوتے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ جب اِن دونوں طینتوں کا موازنہ کیا جائے تو ایسا شخص کوئی بھی نہ نکلیگا جو اس دھیمی اور سرد طبیعت کی خواہش نہ کرے بشرطیکہ یہ بات اُس کے اپنے اِختیار میں ہو۔

تیرہ بختی اور خوش قسمتی تو کچھ کسی کے اختیار میں نہیں۔ جب کسی شخص کی طبیعت میں

قوت احساس اس درجہ تک ہو اور کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ تو رنج اور غم اُسے ایسے لاحق ہو جاتے ہیں کہ اس میں روزمرہ واقعات سے حظ اُٹھانے کی قابلیت ہی نہیں رہتی حالانکہ اُن سے محظوظ ہونا اور انکا لُطف اُٹھانا ہی ہماری خوشی کا سامان ہے۔ بڑی بڑی خوشیاں بمقابلہ بڑی بڑی تکالیف کے نادرالوجود ہیں۔ بہ نسبت خوشیوں کے تکالیف سے زیادہ سابقہ پڑتا ہے۔ اور خوشیوں کے سبب انسان اتنی دفعہ معرضِ امتحان میں ڈالا جاتا ہے جتنا تکالیف کے باعث۔ علاوہ بریں ایسے آدمیوں میں دوراندیشی اور قوتِ تمیز کم ہوتی ہے اور اپنی معاشرت میں ایسی ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ جنکی تلافی نہیں ہو سکتی۔

بعض لوگوں کے مذاق میں ایسی لطافت ہوتی ہے۔ جو سرعتِ احساس سے ملتی جُلتی ہے۔ اس لطافتِ مذاق کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خوبصورتی اور بدصورتی انکی طبیعت پر اس قسم کے اثرات پیدا کرتی ہیں۔ جیسا سرعتِ احساس کی صورت میں اقبال اور ادبار سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب ایسی طبیعت والے آدمی کی کوئی تصویر یا کوئی نظم دِکھاؤ وہ اُس کے ہر حصہ سے اپنے خیالات کی نفاست کی وجہ سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جس شوق اور ذوق سے وہ کسی قابلِ تعریف صنعت کی داد دیتا ہے۔ ویسی ہی نفرت اور حقارت سے وہ کسی کی غفلت اور بیہودگی کو محسوس کرتا ہے۔ خوش اخلاقی سے اگر اُس کے ساتھ گفتگو کیجاوے تو اُسے نہایت خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کے سامنے بے ادبانہ اور گستاخانہ کلام گویا اس کے لئے ایک سزا ہے۔ الغرض ذوقِ سلیم اور سرعتِ احساس کا اثر یکساں ہوتا ہے۔ اِس سے ہماری خوشی اور تکلیف دونو کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور ہم ان خوشیوں اور تکالیف سے جن کی دوسرے لوگ پروا نہیں کرتے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

تاہم میں یقین کرتا ہوں کہ سب اس رائے میں میرے ساتھ متفق ہونگے کہ باوجود

اِس مشابہت کے ذوقِ سلیم حاصل کرنے کے قابل ہے اور سرعتِ احساس قابلِ گریز۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو اس کے علاج کی کوشش ہونی چاہیئے۔ زندگی کے موافق یا مخالف واقعات ہمارے اپنے بس میں نہیں ہیں۔ لیکن ہم اتنا اختیار خود رکھتے ہیں کہ کونسی کتابیں ہم پڑھینگے۔ کونسے مشاغل میں ہم مشغول ہونگے اور کونسی مجالس میں ہم شریک ہونگے۔

فلسفیوں نے یہ کوشش کی ہے کہ خوشی کسی بیرونی چیز پر منحصر نہ رہنے دیں۔ اس بارے میں کمال حاصل ہونا تو ناممکن ہے مگر ہر زیرک آدمی کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنی خوشی کا انحصار ایسی چیزوں پر رکھے جو خاص اُس کی ذات سے وابستہ ہوں اور یہ مطلب کسی اور وسیلہ سے اس حد تک حاصل نہیں ہوسکتا جتنا کہ ذوقِ سلیم کے ذریعہ سے جب انسان میں یہ صفت پیدا ہوجاتی ہے تو وہ اپنے حسبِ مذاق کوئی چیز پاکر اس قدر خوش ہوتا ہے کہ جسمانی لذت کے حصول سے اسے وہ لطف نہ ملتا اور وہ ایک اچھی نظم یا ایک معقول اور برجستہ دلیل سے اتنا حظ اُٹھاتا ہے جتنا دُنیا کی اچھی سے اچھی نعمت سے بھی اُسے حاصل نہ ہوتا۔

اِن دونوں بظاہر مشابہ حسّوں میں خواہ دراصل کوئی تعلق کیوں نہ ہو لیکن میں اتنا یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ سرعتِ احساس کو دُور کرنے کے لیے کوئی چیز ایسی مفید نہیں ہوسکتی۔ جتنا کہ اعلیٰ اور عمدہ ترین مذاق کا پیدا کرنا۔ جس کے ذریعہ ہم لوگوں کے اخلاق کا صحیح اندازہ کرسکیں۔ لائق اشخاص کی تصانیف کو پرکھ سکیں اور دیگر فنونِ لطیفہ کی صفتوں کو جانچ سکیں۔ ان ظاہری خوبصورتیوں کے جو حواس پر اثر ڈالتی ہیں مذاق کی کمی یا بیشی تو ہمارے مزاج کے کم یا زیادہ سریع الحس ہونے پر منحصر ہے۔ لیکن علوم و فنون کا مذاق صحیح عقلِ سلیم سے ملتا جلتا ہے۔ یا کم از کم ان میں ایسی وابستگی ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ لائق شخصوں کی تصنیفات کا ٹھیک اندازہ کرنے کے لیے

ہمیں اتنی باتیں مدِ نظر رکھنی پڑتی ہیں اور اتنی مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور انسانی فطرت سے اس قدر واقفیت درکار ہوتی ہے کہ کوئی شخص جس کی رائے سلیم نہ ہو کبھی اُن معاملات میں اچھا نقاد نہیں بن سکتا اور یہ ایک مزید وجہ ہے کہ ان فنون کا مذاق پیدا کیا جائے۔ ہماری رائے اس مشق سے قوی ہو جائیگی اور ہم زندگی کے متعلق اب سے زیادہ درست خیالات قائم کر سکینگے۔ بہت سی چیزیں جو اور لوگوں کو خوش کرتی ہیں یا رنج میں مبتلا کرتی ہیں۔ ہمیں ایسی حقیر اور معمولی نظر آئینگی کہ ہم اُن کی طرف توجہ تک نہیں کرینگے۔ اور ہم رفتہ رفتہ وہ مضر سرعتِ احساس جسکا دفعیہ مطلوب ہے زائل کر سکینگے۔

مگر میں شاید فنونِ لطیفہ کی تعریف میں حد سے بڑھ گیا ہوں۔ جب میں نے یہ کہا کہ ان فنون کا مذاق مضر جذبات کو دُور کر دیتا ہے اور اس کے بدولت ہم ان چیزوں کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ جن کی فکر میں دُوسرے لوگ اس قدر سرگردان ہیں۔ زیادہ غور و فکر کے بعد میں یہ دیکھتا ہوں کہ تمام لطیف اور لذیذ جذبات اس ذوق سے بڑھتے ہیں اور نا ملائم اور سخت جذبات سے دل نفور ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس کی دو وجہ ہیں۔

(۱) نظم و فصاحت راگ یا تصاویر کی خوبصورتیوں کے مطالعہ سے بڑھ کر مزاج کی ترقی کے لئے کوئی چیز مفید نہیں۔ ان سے ایک خاص قسم کا لطیف شوق طبیعت میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے دُوسرے لوگ بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ جو جذبات اُن سے پیدا ہوتے ہیں بڑے لطیف اور ملائم ہوتے ہیں۔ وہ دِل کو کاروبار کی عجلت اور ذاتی منفعت کے شوق سے ہٹا کر غور و فکر اور اطمینانِ قلب کی طرف مائل کرتے ہیں۔ اور لذتِ درد دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔ جو محبت اور مودت کے لئے نہایت موزون ہے۔

(۲) ذوقِ سلیم محبت اور مودت کے لئے اسی لئے موزون ہے کہ ہمارا انتخاب چند

ہی لوگوں تک محدود ہو جائے اور اکثر آدمیوں کی گفتگو میل ملاپ اور صحبت سے مستغنی ہو جائیں - آپ دنیا دار لوگوں میں یہ شاذ ہی دیکھینگے - خواہ اُن کو قوتِ حسّ کیسی ہی عطا کی گئی ہو کہ اُن کی قوّت لوگوں کے اخلاق کی تمیز کرنے میں زیادہ رسا ہو یا یہ تمیز کر سکتے ہوں کہ ایک شخص کو دُوسرے شخص پر ترجیح دیجائے - اِن لوگوں کے لئے ایک معمولی سمجھ کا آدمی اُن کے دل بہلاوے کے لئے کافی ہے - وُہ اپنی خوشیوں اور کاروبار کا اس کے پاس بلا تکلف ذکر کرتے ہیں اور چُونکہ وُہ جانتے ہیں کہ اس کی جگہ اَور بھی ایسے آدمی میسّر ہو سکتے ہیں - اس کے وجود اور عدم وجُود کو بالکل محسوس نہیں کرتے - مگر بقول ایک مشہور فرانسیسی مصنّف کے اُن کی رائے ایک بڑے کلاک یا جیبی گھڑی کی مانند ہے - جن میں معمولی پُرزے محض گھنٹوں کا شمار بتانے کے لئے کافی ہوتے ہیں - مگر منٹ اور سکنڈ بتانے کے واسطے نہایت باریک پُرزے درکار ہوتے ہیں - جو وقت کے ذرا سے فرق کو بھی بتا سکتے ہیں -

وہ شخص جس نے اپنے کتابی علم اور کتابوں کے مطالعہ سے پُورا فائدہ اُٹھایا ہے - سوائے چند منتخب دوستوں کی صحبت کے کسی اَور جگہ خوش نہیں ہو سکتا - ان خیالات کے وجُود کو جو اس میں موجُود ہیں اور دیگر بنی نوع انسان کو ان خیالات سے جو اُس کے دماغ میں پیدا ہو گئے ہیں معرّا پاتا ہے اور جب اس کے تعلقات موانست ایک مختصر دائرہ میں محدود ہوتے ہیں تو وُہ انکو زیادہ گہرا اور مضبوط بنا سکتا ہے بہ نسبت اس حالت کے کہ وُہ زیادہ عام اور بے امتیاز ہوتے -

ایک ہم نوالہ اور ہم پیالہ رفیق کی معمولی زندہ دلی اور خوش باشی ایسے شخص کی حالت میں دوستی بن جاتی ہے اور نوجوانی کی اُمنگوں کی سرگرمیاں بالآخر ایک قابلِ تحسین جذبہ ہو جاتی ہیں *

شیخ محمد اکرام

ثالث بالخیر - سیّد سجّاد حیدر صاحب بی - اے نے ایک مختصر گرد لچسپ ترکی ناول کا ترجمہ کیا ہے -

"ثالث بالخیر" اُس کا نام اس لئے رکھا گیا ہو کہ ایک ترک لڑکی اپنے والد اور والدہ کے درمیان رشتۂ تعلق ایک دفعہ ٹوٹ کر دوبارہ جوڑے جانے کا باعث ہوتی ہے اور وُہی لڑکی اس قصّہ کی جان ہے۔ سیّد سجاد حیدر صاحب علیگڈہ کالج کے ممتاز طلبہ میں رہے ہیں اور زمانہ طالب علمی سے ہی مضمون نویسی میں مشّاق ہیں۔ رسالہ معارف میں اُن کے بہت سے مضامین چھپے اور مقبول ہُوئے۔ اُسی زمانہ میں انکو ایک عرصہ تک آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب رئیس دتاؤلی کے علمی مشاغل کے ممد ہونے کا موقعہ ملا۔ اور انہوں نے حاجی صاحب موصوف سے جو زبانِ ترکی سے بخوبی واقف ہیں۔ ترکی سیکھی اور پھر بطور خود اس میں ترقّی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ قابلیت بہم پہنچائی کہ ترکی ناولوں کو بے تکلّف بامحاورہ اردو کا لباس پہنانے لگے۔ یہ دُوسرا قصّہ ہے جو انہوں نے ترجمہ کر کے شائع کیا۔ ایک تیسرا قصّہ "زہرا" نامی جو اس سے زیادہ بسیط اور دلچسپ ہے۔ زیرِ طبع ہے۔ اس سلسلہ کے ذریعہ سیّد سجّاد حیدر صاحب ملک کے علم ادب کو دوسری زبانوں کے جواہرات سے آراستہ کرنیکو ایک نئی کان نکال رہے ہیں۔ اور اُن کی مساعی قابل شکریہ ہیں۔ ہم انکو اُن کے ترجمہ کے بیساختہ پن پر مبارکباد دیتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ انکی حوصلہ افزائی ہوگی تاکہ وہ آیندہ اس سے بھی اچھّے اور مفید ترجمے مُلک میں پھیلائیں۔ یہ کتاب مترجم سے جن کا پتہ علیگڈہ کالج کافی ہے۔ یا کالج مذکور کی ڈیوٹی شاپ سے یا ہلالی پریس ساڈھورہ" سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

مظفر الدین شاہ۔ منشی محبوب عالم صاحب مالک و ایڈیٹر پیسہ اخبار کی تجسس طبیعت نے اُردو میں بھی شاہ کجکلاہِ ایران کے مختصر حالات ایک کتاب کی صُورت میں شائع کر ہی دیے۔ اُنہوں نے اس سے پہلے امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم والیٔ افغانستان کی سوانح عُمری لکھی تھی۔ جو نگاہِ پسندیدگی سے دیکھی گئی تھی۔ اُسی کی کامیابی نے تحریک کی کہ وہ شاہِ ایران کے حالات لکھیں۔ چنانچہ اُس قلیل مواد کو دیکھتے ہُوئے۔ جو شاہِ حال کے متعلق مروّجہ کتابوں میں مِل سکتا ہے۔ جس قدر حالات اُنہوں نے بہم پہنچائے ہیں قابلِ تعریف ہی۔ اور ہمیں خوشی ہے۔ کہ وہ کتاب کو خاصی اچھّی دلچسپ بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ شائقین کو اس کے منگانے کے لئے "منیجر صاحب پیسہ اخبار لاہور سے خط و کتابت کرنی چاہیے۔

منطقۂ حارّہ

گرہ غزلی

دُنیا کے کسی حصّے میں معبودِ برحق کی عظمت و جلال کے آثار اس کثرت سے نہیں پائے جاتے جس کثرت سے کہ اقالیم منطقۂ حارہ میں پائے جاتے ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہ جبینانِ دِلرُبا و جوانانِ رعنائے طبقۂ حیوانات و نباتات اس سرزمین کی بیعت کر چُکے ہیں -

اس منطقہ میں بمقابلہ منطقۂ معتدلہ شمالی خُشکی کا حصّہ کم ہے - جدھر دیکھو سمندر ہی کرسائیں سائیں کر رہا ہے - جس طرف نظر اُٹھاؤ ایک بحرِ موّاج و ناپیداکنار ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے - افریقہ اور امریکہ کے اُن حصّوں پر جو اس منطقہ میں واقع ہیں - بااین ہمہ عظمت و شوکت جزیرہ کی شان ٹپکتی ہے - اگر حکیم مطلق کی حکمتِ بالغہ پر نظر غائر ڈالی جائے تو وُہ رازِ سربستہ منکشف ہو جائیگا - جس کی امین اس بحرِ ذخار کی موجیں ہیں - یہ بحرِ موّاج - یہ یادگارِ طوفانِ نوح جو بادی النظر میں نمونۂ قہرِ خدا معلوم ہوتا ہے - ابرِ رحمت بن بن کر ان ممالکِ حارہ کی تشنگی کو تسکین دیتا ہے جو مانند اطفال عطشان بشدّتِ تشنگی سے اپنے پپڑیائے ہوئے لبوں کو سمندر سے لگائے ہُوئے ہیں - اگر خداوند تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں ان ممالک کے شاملِ حال نہ ہوتی تو آج کے دن دیکھ لیا ہوتا کہ تمازتِ آفتاب ان ممالک کو کبھی کا جلا کر خاک سیاہ کر چکی ہوتی - مگر اُس ذرّہ نوازکے قلزمِ رحمت نے جوش مارا - سمندر کی موجوں کو حکم ہوا کہ جاؤ ان ممالک کے ساحلوں کو شبانہ روز نہلا نہلا کر اُن کی آب و ہوا کو خوشگوار اور اُن کی سرزمین کو شاداب بناؤ - حق تو یہ ہے کہ ان ممالک پر سمندر کے بڑے بڑے احسان ہیں - یہی سمندر رحمتِ فاصل

بن بن کر اُن کی آب و ہوا کو معتدل اور اُن کی سرزمین کو قابلِ بُود و باش بناتا ہے اگر کہیں خُدانخواستہ یہ تمام ممالک ایک ہی سلسلہ میں واقع ہوتے تو رُوئے زمین کا یہ حصّہ کج بالکل ویران ہوتا اور وُہ اختلافاتِ آب و ہوا جو اُن میں پائے جاتے ہیں نہ ہوتے۔

ممالک حارہ کے اختلاف آب و ہوا کا دُوسرا سبب اُن کی سطح کا نشیب و فراز ہے۔ اُن حصّوں کی آب و ہوا پر جو بہت بلندی پر واقع ہیں۔ بعض اوقات منطقۂ معتدلہ کی آب و ہوا کا دھوکا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات منطقۂ باردہ کا سماں نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ کوہ انڈیز اور کوہ ہمالہ کے سر یا تو اسی منطقے میں سفید ہُوئے ہیں۔ یا کہیں اُسی کے لگ بھگ۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ خُداوند تعالےٰ نے ان پہاڑوں کو اِس منطقے کی عمُودی شعاعوں کی تیزی کا اثر کم کرنے کے لئے اِن مقامات پر نصب کیا ہے۔ افریقہ اور امریکہ میں بڑے بڑے عظیم الشان قطعات شہ نشینوں کی طرح سمندر سے ہزارہا فیٹ بلند ہوتے چلے گئے ہیں۔ ان مقامات کی آب و ہوا اور پیداوار بعض اوقات ہم کو وطن کی یاد دلاتی ہے۔

اِسی منطقے میں وینزویل اور گرینڈا کے وسیع بیابان واقع ہیں جن کو لانس کہتے ہیں۔ اِسی منطقے میں کوہ انڈیز کی شاندار چوٹیاں گوشِ سحاب سے سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ یہ حصارِ عافیت ہر طبقے کی نباتات کو اپنے آغوشِ شفقت میں مادرِ مہربان کی طرح لیے ہُوئے میٹھی میٹھی لوریاں دے رہا ہے۔ نسیمِ سحری دبے دبے پاؤں آکر ان نونہالانِ کُنجِ عزلت کا شانہ ہلا ہلا کر جگاتی ہے اور شبنم ان جگر گوشگانِ قدرت کا منہ آبِ کوثر و تسنیم لا لا کر دھوتی ہے۔

الغرض پیرو کی سطحات مُرتفع سے بڑھ کر دُنیا کے کسی حصّے میں موسمِ سرما کی ستم شعاریاں اور موسمِ بہار کی اعجاز نمائیاں اس قدر قریب قریب نہ پائی جائینگی۔ سطحاتِ مرتفع

پر تو یہ کیفیت ہے کہ مارے سردی کے دانت سے دانت بج رہے ہیں۔ ذرا نیچے اُتر کر دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا برفستان سے اُتر کر باغ اِرم میں آپہنچے۔

نیچر نے اِن دلفریب وادیوں کو کچھ ایسی اوسط درجے کی بلندی عطا فرمائی ہے کہ طوفانِ حوادث کی پہنچ اِن تک ہو نہیں سکتی۔ اِن سے نیچے کی سرزمین تمازتِ آفتاب سے کباب ہو رہی ہے۔ جس کی دل کی لگی کو بارانِ رحمت ہی سے کچھ تسکین ہو تو ہو اِن سے اُوپر سطحاتِ مرتفع ہیں۔ جن کی غارتگر سرد ہواؤں کے آگے پہاڑ اپنا سینہ سپر کئے ہوئے کھڑے ہیں۔ سچ ہے ان ہواؤں کی سرد مہری کی ایذا برداشت کرنے کے لئے پتھر کا کلیجہ ہو تب جاکر کہیں کام چلے۔ ان قدرت کے گہواروں میں سرسبز کھیت لہلہا رہے ہیں اور درختانِ بار ور سر جھکائے کھڑے ہیں۔ سرسبز کھیتوں اور درختانِ ثمردار کو دیکھ کر ایسا دھوکا ہوتا ہے کہ کہیں کسی ساحر فسون ساز نے ہم کو اپنے وطنِ مالوف میں تو نہیں پہنچا دیا۔ مگر آہ آسمان کے ستاروں کی اجنبیت اور بعض بعض درختوں کی مغائرت اس دھوکے کے پردے کو اُٹھا کر ہم کو یقین دلاتی ہے کہ ابھی وطن تک پہنچنے میں ہزارہا تکالیف شاقہ اُٹھانی پڑینگی۔

حق تو یہ ہے کہ یہ سرزمین بھی آفت کا ٹکڑا ہے جس کے شعبدے دیکھ دیکھ کر عقل چکرائے جاتی ہے۔ سبزہ ہے کہ گھٹنیاں چلتا چلتا دامنِ کوہ کو پکڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور گرگٹ کے سے رنگ بدلتا ہوا آغوشِ جبال میں پہنچکر مارے خوشی کے کھلکھلا کر ہنستا ہنستا لوٹا جاتا ہے۔ لیکن اِس کی طبیعت کی شوخی اس کو یہاں بھی چین لینے نہیں دیتی۔ طفلانِ شوخ کی طرح اپنی مادر مشفقہ کے سینے پر پنجے گاڑ گاڑ کر چلا جاتا ہے۔ نیچر اِس شوخی کی سزا میں تھپڑاتے تھپڑاتے اس کو بدحال کر دیتی ہے اور آخر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ نہ پائے رفتن و نہ جائے ماندن۔

اب ہم بحرالکاہل کے کنارے چکر لگاتے لگاتے پیرو کے ریتلے ساحل پر جا پہنچے

جس پر ویرانی خاک اُڑا رہی ہے۔ نگاہیں سبزے کو ڈھونڈتی ہیں اور نہیں پاتیں۔ قطرۂ آب کو ترستے ہیں اور نہیں ملتا۔ جدھر دیکھو ریت کے ٹیلے۔ جس طرف نظر اُٹھاؤ بنجر اور پتھریلی زمین۔ یہاں تو یہ کیفیت ہے۔ مگر کوہ انڈیز کے اس طرف جاکر دیکھو تو کچھ عجب حیرت انگیز سماں نظر آتا ہے۔ یا الٰہی ایک دیوار کی آڑ اور اس قدر تفاوت۔ اُدھر سبزہ نام کو نہ تھا ادھر سرسبز وادیاں آنکھوں کو تراوٹ پہنچا رہی ہیں۔ ادھر خشک لبوں کے تر کرنے کے لئے قطرۂ آب تک میسّر نہ تھا۔ اِدھر دریائے ایمیزن۔ جس کو رُوئے زمین کے دریاؤں کا شہنشاہ کہنا زیبا ہے۔ ایک جانہار بچے کی طرح۔ کوہ انڈیز کے گہوارے سے پاؤں نکال کر نہایت متانت اور شاہانہ رُعب و داب کے ساتھ عظیم الشان جنگلوں کو تاخت و تاراج کرتا۔ سرسبز میدانوں پر اپنا سکّہ بٹھاتا۔ خطِ استوا کو کاٹتا۔ نعرۂ لِمَنِ الْمُلْكُ بلند کرتا چلا جاتا ہے۔ کہ اتنے میں ہاتفِ غیبی کی صدائے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کانوں میں پہنچتی ہے۔ اپنے کبر پر منفعل۔ خدا کی رحمت سے مایوس۔ جبینِ عجز خاکِ نیاز پر رگڑتا۔ زندگی سے بیزار۔ مرگ کا طالب۔ سمندر میں کود کر اپنے تئیں ہلاک کر ڈالتا ہے۔ سچ ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

اِس دریا کا بیسن اس قدر وسیع ہے کہ اگر یورپ کا تمام مغربی حصّہ اُٹھا کر اس میں رکھ دیا جائے تب بھی اس کے حدود دریا کے کناروں کو مس نہ کر سکینگے۔ موسم برشگال کے بعد دریا کی طغیانی۔ طوفانِ نوحؑ کا سماں نظروں کے سامنے پھیر دیتی ہے۔ بعض مقامات پر پانی چالیس فیٹ اونچا چڑھ جاتا ہے اور اکثر سیّاح ذکر کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بلند درختوں کے تنوں پر پچاس فیٹ کی بلندی تک پانی کے نشان دیکھے ہیں۔ پچاس فیٹ۔ کہنے کو تو دو لفظ اور ایک بات ہے۔ مگر ذرا خیال تو کرو کہ اس قدر اونچا پانی کس قدر زمین کا ستیاناس کرتا ہوگا اور کتنے ستم رسیدوں کی کشتِ اُمید پر پانی پھر جاتا ہوگا۔

یُوں تو اس دریا پر ہمیشہ ہی رُعب و داب برستا ہے مگر حالتِ طُغیانی میں کوئی آن کر اِس کی عظمت و جلال کو دیکھے - دشت و بیابان - کوہ و صحرا اِس کی موجوں کے نعروں سے گُونج اُٹھتے ہیں - بڑے بڑے عظیم الشان درخت اس کی تھپیڑوں کے آگے کانپنے لگتے ہیں اور پہاڑوں کے صدموں سے زمین سے اُکھڑ کر سینکڑوں میل بہتے چلے جاتے ہیں - اس مقام پر جہاں اب مچھلیاں اور بڑے بڑے نہنگانِ مردم آزار کلولیں کر رہے ہیں - تھوڑی ہی دیر پہلے - چیتا - شکار کی ٹوہ میں گھات لگائے بیٹھا تھا - ان جنگلوں کی بربادی دیکھنے کو اب چند پر و بال شکستہ پرندے باقی رہ گئے ہیں - جو عالیشان درختوں کی سر بفلک شاخوں پر سہمے بیٹھے ہیں اور اپنے آشیانوں کی بربادی کو نگاہِ حسرت و یاس سے دیکھ رہے ہیں -

جب دریا کی طُغیانی فرو ہو جاتی ہے اور پانی اُتر کر اپنی اصلی حدود میں چلا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے پُرانے جزیرے دریا بُرد ہو گئے اور اُن کی جگہ سینکڑوں نئے جزیرے پیدا ہو گئے - جن کا پہلے کہیں نام و نشان بھی نہ تھا - اکثر مقامات پر - کنارے و ندانِ حرص تیز کئے ان اجل رسیدہ کشتیوں کی تاک میں کھڑے ہیں - جن کو مرگِ مفاجات کھینچ تان کر اُن کی زد تک پہنچا دیتی ہے - یہاں پہنچیں اور ان خونخوار کناروں کا طعمہ ہوئیں -

وُہی سیاح منطقہ حارہ کے دلفریب نباتاتی منظر کے مزے لُوٹے گا - جو کشتی میں سوار ہو کر دریائے ایمیزن پر سفر کرے - کہیں میلوں تک درختانِ سرسبز اپنا سائبانِ اطلسیں ہمارے سروں پر تانے چلے جاتے ہیں - کہیں ذرا کی ذرا سورج اپنی جھلک دکھا کر وحشت کدۂ قدرت کے رازہائے سربستہ طشت از بام کرتا چلا جاتا ہے - کہیں طائرِ نظر دُور تک درختوں کے پروں میں پرواز کرتا ہُوا جنگلوں میں پہنچکر غائب ہو جاتا اثنائے راہ میں کہیں کوئی جزیرہ مل جاتا ہے - جس کے باغات پر باغِ ارم رشک

کھاتا ہے۔ کہیں عروسانِ سبزہ زار اپنے سہروں کے پھول نوچ نوچ کر ان شہیدانِ راہِ تحقیق کی قبروں پر چڑھاتے ہیں جو قدرت کی نیرنگیوں پر مفتون ہو کر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ اس کے ساتھ ساتھ ہو لیئے اور آخر وہیں ایسی تان کر سوئے کہ شورِ قیامت ہی اُن کو اُن کی خوابِ راحت سے جگائے گا تو جاگیں گے۔

اس خلوت کدہ قدرت میں ہزار ہا اقسام کے طیور مختلف اللّون جن کے رنگوں کے سامنے پھولوں کا رنگ اُڑا جاتا ہے۔ خاکِ اشجار و زرِ گل سے تیمم کر کے اپنی ننھی ننھی منقاروں کو کھولے کچھ ایسے سوز و گداز و حضورِ قلب سے ترانہائے حمدِ باری میں مشغول ہیں کہ جس سے اس تمام سین پر ایک عالم محویت و از خود رفتگی طاری ہے۔ درخت ہیں کہ ان دلکش ترانوں کو سُن سُن کر جھوم رہے ہیں۔ دریا ہی کہ از خود رفتہ ہو ہو کر یادِ خدا میں سر دھن رہا ہے۔ پہاڑ تک بھی با ایں ہمہ لافِ سنگدلی ان دلگداز نغموں سے متاثر ہو ہو کر اپنی تردامنی پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ اُن کی آہ و زاری کے گواہ وہ ندی اور نالے ہیں جن کو پہاڑ اپنے دامن میں پوشیدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر کہیں طفلانِ اشک بھی کسی کے روکے رُکتے ہیں۔ اطفالِ شوخ کی مانند مچل کر زمین پر پھسل پڑتے ہیں۔ اور کوہ و جبال کی رقیق القلبی کا راز طشت از بام کرتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں کبکِ دری وجد میں آ کر بیساختہ سبحان تیری قدرت کی صدا بلند کر رہے ہیں۔ کہیں فاختہ کی کُو کُو دلوں پر نشتر کا کام کئے جاری ہے۔ الغرض از شجر تا حجر کُل کائنات محوِ تحمید و تقدیسِ جنابِ باری ہے اور کچھ ایسا سماں بندھ رہا ہے کہ دل ہاتھوں سے چھوٹا جاتا ہے اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

شعر

صبر و طاقت لئے جاتی ہو جدائی تیری | لُوٹتا ہے مجھے قزاق دُہائی تیری

ان عظیم الشان جنگلوں میں بندر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اِن میں سے اکثر اپنی گذران

درختوں کے میووں پر کرتے ہیں - جن کا کھانے والا ان جنگلوں میں کوئی انسان نہیں - بعض بعض قسم کے بندر کیڑے مکوڑے کھا کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں - یہ سیانا جانور کھُلے میدانوں میں نہیں رہتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درخت سے نیچے قدم اُتارنے کی اس نے قسم کھائی ہے - سچ پُوچھو تو درخت سے نیچے اُترنے کی اسکو ایسی ضرورت ہی کیا ہے - کھانے کو لطیف سے لطیف میوے ہر وقت موجود نشیمنِ عافیت میں ...ن کے حملوں سے ہر وقت محفُوظ -

یہ جانور آرام سے ایک درخت پر بیٹھنا جانتا ہی نہیں - تمام دن ایک درخت سے دُوسرے درخت پر اور دُوسرے سے تیسرے پر اُچھلتا کودتا خُدائی خوار پڑا پھرتا ہے - نیچر نے اس کام کے لئے اس کو اعضا بھی مناسب ہی عطا فرمائے ہیں - ہاتھ لمبے لمبے ہوتے ہیں - جن میں ایک قسم کی نمی ہر وقت پائی جاتی ہے - اِس نمی سے درختوں کی شاخیں نہائت آسانی سے قابُو میں آجاتی ہیں - بعض بندروں کی دُم عجیب انداز کی ہوتی ہے - جس کو انکا پانچواں ہاتھ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے - اس دُم کے نیچے کی طرف بال نہیں ہوتے - مضبُوط اِس قدر ہوتی ہے کہ اکثر اوقات بندر دُم کو شاخوں سے لپیٹ کر لٹک جاتا ہے اور گھنٹوں گھڑی کے پنڈولم کی طرح جھُولا کرتا ہے - ایک شاخ سے دُوسری شاخ پر اور ایک درخت سے دُوسرے درخت پر جست لگاتے وقت - جلد جلد دُم کو شاخوں سے لپیٹ کر اس سُرعت سے جست لگاتا چلا جاتا ہے کہ شکاری کی نظر کام نہیں کرتی اور اسکا نشانہ اکثر خطا ہو جاتا ہے -

شکاری جانوروں میں سے اِن جنگلوں میں چیتا نہائت خوفناک جانور ہے - جو قد و قامت میں بنگالے کے چیتے سے ملتا جلتا ہے - اِس مُوذی کے حملے سے دریا میں بھی امن نہیں - اِس کمبخت نے اِن جنگلوں میں کچھ ایسی دھاک بٹھا رکھی ہے کہ بعد از غروبِ آفتاب بھلا کوئی شخص اپنی جھونپڑی سے باہر تو نکل لے - اکے دوکے کی تو اس کے سامنے

کچھ حقیقت ہی نہیں۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ یہ ظالم جب بھوکا ہوتا ہے تو دن دہاڑے گاؤں میں آکر بھی چھاپا مار جاتا ہے۔

ان جنگلوں میں جس وقت طوفان آتا ہے تو دل دہل جاتے ہیں۔ اور کلیجہ بانسوں اُچھلنے لگتا ہے۔ جنگل میں ابھی ایک پتہ تک ہلنے نہیں پایا مگر بندروں کی خی خاءیں نے تمام جنگل کو سر پر اُٹھا لیا ہے۔ کوّوں کی کائیں کائیں علیحدہ کانوں کے پردے پھوڑے ڈالتی ہے۔ جس قدر حیوانات ہیں سب کے سب سہمے نظر آتے ہیں۔ یا الٰہی آخر یہ ہوا کیا ہے؟ اے بھولے مسافر۔ تمام چرند پرند پکار پکار کر بآوازِ بلند کہہ رہے ہیں کہ اب کوئی دم میں طوفان آیا چاہتا ہے اور تو نہیں سمجھتا۔ لے ہوش میں آ۔ اور طوفان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جا۔

اے لو اب تو کچھ کچھ ہوا بھی چلنی شروع ہو گئی۔ اے قدرت کے قیافہ دانو۔ تمہارا قیافہ غضب کا قیافہ ہے۔ جس کو یقین کا درجہ حاصل ہے۔ ہوا دم بدم تیز ہوتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے عالیشان درخت بیدِ مجنوں کی طرح کھڑے کانپ رہے ہیں۔ شاہانِ طبقۂ نباتات یکے بعد دیگرے بے تاج ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جنگل کا کراہنا سُن سُن کر کلیجہ منہ کو آیا جاتا ہے۔ ہے ہے اب کہاں جائیں تمام عالم تیرہ و تار ہو گیا۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ رعد فانوسِ ظلمت میں اپنی شمع کی جھلک دکھا دکھا کر اس رُوسیاہ طوفان کو ان مصیبت زدوں کا نشان دے رہا ہے۔ جو سہمے ہوئے کسی درخت کے نیچے کھڑے ہیں۔ یا گھبرائے ہوئے بے تحاشا بھاگے چلے جاتے ہیں۔ بارش ایسی موسلا دھار ہو رہی ہے کہ ہوش نہیں لینے دیتی۔ بجلی کی کڑک سُن سُن کر دل بیٹھا جاتا ہے اور حافظ شیراز کا یہ شعر یاد آتا ہے۔ شعر

شبِ تاریک و بیمِ موج و گرداب چنیں حائل ۔۔۔ کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

یوں تو منطقہ حارہ کے کُل ممالک میں انواع و اقسام کے نباتات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مگر پیرو کی سطح مرتفع تو عجب تماشے کی سرزمین ہے۔ جہاں پہنچکر سیّاح کی عقل چکر میں آجاتی ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ قدرت نے اپنے خاص بندوں کے لیے ایک وسیع دسترخوان بچھاکر دُنیا بھر کی نعمتیں اُس پر چُن دی ہیں۔ کیونکہ منطقہ حارہ سے لیکر باردہ تک دُنیا کے کسی ملک کی ترکاری یا میوہ ایسا نہ ہوگا جو اس خوان پر چُنا ہوا نہ ہو۔

سیّد شریف حسین (از الٰہ آباد)

جھُوٹ

ہُوا ہے جس کا شیوہ بولنا جھُوٹ — وُہ کافر ہے۔ نہ بلوائے خدا جھُوٹ
خُدا حافظ بُتانِ سنگ دل کا — کہ ہے جن کے لئے ناز و ادا جھُوٹ
طریقِ بے وفائی میں روا ہے — نہ بولیں گے کبھی اہلِ وفا جھُوٹ
سدا اقوالِ عالم آشنا سچ — ہمیشہ قولِ مطلب آشنا جھُوٹ
دلِ عالم خدا انعام میں دے — نہ بولے تو اگر اے دِلرُبا جھُوٹ
سلاطیں جس کی کرتے ہیں غلامی — زمانہ میں ہے شاہنشاہ کیا جھُوٹ؟
کسی کا راستہ ہے راستی کا — کسی کی راہ۔ خضرِ رہنما جھُوٹ
اُٹھیں گے مُردے۔ دُنیا کے چلن سے — عجب کیا ہے کرے محشر بپا جھُوٹ
"نہیں مطلب نکلتا راستی سے" — غلط۔ تکذیب۔ باطل۔ افترا جھُوٹ
کسی کو راست گوئی میں مزا ہے — کسی کے واسطے راحت فزا جھُوٹ
چھپا لو چاہے آج اے کاذبو تم — چھپے گا کس طرح روزِ جزا جھُوٹ
نہیں ہے سچ گلستانِ جہاں میں — ہر اک پتّا ہے جوں رنگِ حنا جھُوٹ
"نہیں ہے نظم میں ممکن صداقت" — کسی نے بخت یہ بالکل کہا جھُوٹ

سیّد امیر حیدر بخت (اکبرآبادی)

آخر وقت

حیف ! در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
رُوئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ہماری سُرخی دو لفظوں سے مرکب ہے۔ مگر ہائے اِنہیں دو لفظوں میں کس بلا کا درد ہے۔ کہ مطمئن دلوں کو بھی بیتاب کر دیتا ہے۔ دِل و جگر اُس کی مُہیب صُورت سے کانپ اُٹھتے ہیں۔ چاہے دِل و دماغ کتنے ہی خوشی کے پھُولوں کی خوشبو سے مست ہوں۔ مگر جب آخر وقت کا سماں آنکھوں کے تلے پھر جاتا ہے تو چونک پڑتے ہیں۔ کامیاب طالب جب اپنے دلرُبا مطلوب کو اپنے پہلو میں بٹھائے اُس کے دِلفریب حُسن کے نظارہ میں مست ہو تو یکایک "آخر وقت" اُس کی ساری خوشیوں کو غم کا پہناوا پہنا دیتا ہے۔ اور اُسے فراق کی بدصُورت مگر ڈراؤنی صُورت دِکھا دِکھا بیہوش کر دیتا ہے۔ اور غم کی تجلّی آخر وقت کے بادل میں چمکتی ہوئی اُس کے دِل و سینہ میں کوند جاتی ہے۔ اور پھر اُسے سر اُٹھانے کا بھی موقعہ نہیں دیتی سبزہ زار باغ اپنے شباب کے دِنوں (بہار) میں شاداب ہو رہا ہے۔ اُس کی نرم نرم شاخیں خوشی میں جنتی جوڑہ (سبز) پہنے ہُوئے جھُوم رہی ہیں۔ اور گلابی رنگ گلاب پھُولا نہیں سماتا۔ چھوٹے چھوٹے نرم پودے خوشیاں منا رہے ہیں۔ چمنستان پر جان دینے والی بلبلیں ہلکے ہلکے رنگ کے پھُولوں پر جان دے رہی ہیں۔ اچانک آخر وقت (خزاں) کا ڈنکا بجا۔ سارا باغ سنسان ہو گیا۔ وُہ چمن جو ابھی ابھی ہرا بھرا تھا خُشک پڑ گیا۔

حسین ہیں حُسن کی دیوی ہیں جس نے ایک بار سانہیں سوتے میں دیکھا۔ پھر حشر تک

اُسے سونا نہیں ملا اب جو دیکھو تو ایک ناکامیاب نقشہ ہے جس کی آنکھوں میں وہ ادا نہیں ہاں پتھرا گئیں۔ بدن میں چلبلاہٹ نہیں وہ رُوپ نہیں۔ بدن پر وہ شوخ جوڑا نہیں ہے

وُہ گل اندام کہ تھا پھُولوں کا بستر جن کا
خس و خاشاک پہ اُن لوگوں کو سوتے دیکھا

بچہ ہے اپنی ماں کی گودوں میں شوق و تمنا سے پرورش پا رہا ہے۔ ماں بھی اُسے اپنے سینہ میں بڑی اُمیدوں اور پیاروں کے ساتھ لپٹائے ہے کبھی مسکرا مسکرا کہتی ہے ہماری آنکھوں کا تارا بیٹا ہمارا پیارا بیٹا ہے۔ بڑا ہوگا ہمارا قوتِ بازو ہوگا۔ کبھی ہنسکے کہتی ہے ہمارا دولارا بچہ جوان ہوگا اُسے بیاہینگے گھر میں بہو لائینگے۔ دُولا نازوں کا پالا بچہ بڑھا اور جوان ہُوا سب کُنبہ والوں کی آنکھیں بڑھی چڑھی اُمیدوں کے ساتھ اُس کی طرف اُٹھ گئیں۔ مگر جوان کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی جوانی کے نشہ میں چُور آنکھیں مخمورِ شباب کی اُمنگ۔ اس نازک زمانہ میں اس پر جُون بھی نہ رینگی۔ وُہ یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ ہم کدھر کو جارہے ہیں اور کدھر جانے کو ہیں۔ ہمارا کیا حال ہے ہم کاہے کو یہاں آئے۔ بلکہ وُہ دُنیا کی دلفریب چیزوں اور نیچر کے دِل کش سین پر متوالا تھا۔ اپنی ہمت بڑھائے وُہ اس خوف زدہ راستہ اور دشوار گذار پہاڑیوں کو قطع کر رہا تھا۔ دُنیا اسے تھپک تھپک کے میٹھی نیند میں سولا رہی تھی ہمارا نوجوان اپنے شباب کی مبارک ذات سے بڑی بڑی اُمیدیں رکھتا تھا اور بڑی بڑی آرزوئیں کرتا تھا۔ یکایک "آخروقت" نے اپنا زور آور پنجہ بڑھایا۔ مدہوش نوجوان نے آنکھیں کھولیں۔ چونکا۔ سمجھا ہم کون ہیں۔ کہاں آئے ہیں۔ ہمیں کیا کرنا تھا۔ اب کیا تھا کفِ افسوس ملنے لگا۔ اپنی پہلی غفلت پر آٹھ آٹھ آنسو رو دیا مگر بے سود ناامیدیوں نے اپنا پرا جمایا۔ ناکامیابوں نے دھاوا کیا۔ ساری آزادو چوکڑی بھول گئے۔ اُس وقت وُہ اپنی حالتوں سے عبرت حاصل کر کے یُوں کہتا ہے۔

"او دُنیا کے ظاہری لباس پر مغرور ہو جانے والو! او نشۂ جوانی میں چُور ہو جانے والو! آؤ آؤ ہماری عبرت خیز حالت سے سبق حاصل کرو دیکھو! دیکھو!! اتنے مدہوش نہ ہو جاؤ! ابھی سے سنبھلو تاکہ تم پر اچانک اور ناگہانی آفت کی برق نہ گر پڑے اور ایسا نہ ہو کہ ہماری طرح تمہیں بھی افسوس ایک دن کرنا پڑے۔ اچھا ہو جو اُس وقت کے آنے کے قبل تم سفر کے لئے مستعد ہو جاؤ"۔

سیّد سلیمان بہاری

معرفت

جزو میں کُل میں اے خدا ہے تُو — چشمِ انسان میں ضیا ہے تُو
موسمِ گُل ہے گر چمن تیرا — ہر گُل و خار میں چھپا ہے تُو
آ کے سبزے میں سبز پوش ہوا — پھول میں بنکے بُو بسا ہے تُو
لب پہ غنچہ کے تو ہے مُہرِ سکوت — مُنہ میں بُلبل کے خوش نوا ہے تُو
تجھ سے رُخسارِ گُل ہوا صیقل — گھر میں گلنار کے دیا ہے تُو
دیدۂ گُل سے ہے غنچۂ دل وا — کیونکہ ہر گُل میں ہنس رہا ہے تُو
بھرا دامانِ دشت پھولوں سے — منبع و مصدرِ عطا ہے تُو
واقفِ رازِ عشق قمری وہ — اُن کی باتوں کو جانتا ہے تُو
پتے پتے میں ہے پتا تیرا — ڈالی ڈالی کا آسرا ہے تُو
بے بہد و شتا میں جلوہ نما — چشمِ خورشید میں ضیا ہے تُو
مہر تیرے جلال کا مظہر — خاکِ تیرہ کا چاندنا ہے تُو
صاف شام و سحر کے جھونکوں میں — یہ سُنا ہے کہ بولتا ہے تُو
دشت و وادی میں ہے صدا تیری — کوہساروں میں گونجتا ہے تُو
رعد میں سُنتے ہیں تری آواز — برق میں منہ دکھا رہا ہے تُو
دیکھ کر اس جلال و عظمت کو — سب نے مانا کہ کبریا ہے تُو

چشمِ مشتاق کو بصیرت دے — صاف دیکھے کہ جابجا ہے تُو

از اسلامیہ کالج لاہور — [illegible]

مَوجُودات

عالمِ موجُودات کے اُس حصّہ پر جو نکن الادراک ہی غور کرنا ترقی کا زینہ ہی

تمام موجُودات ذہنی و خارجی دو قسموں پر مشتمل ہیں - ایک وُہ جن کا احساس و ادراک ممکن ہے دُوسری وُہ جنہیں نہ ہماری حواس محسُوس کر سکتی ہیں اور نہ ہماری عقل اُن کا احاطہ کر سکتی ہے - قسمِ اوّل کو جس میں کل مادی چیزیں اور کچھ مجرّداتِ عقلیہ شامل ہیں - مَیں اپنی بحث کے مقاصد کے لئے اشیاء طبعی کہونگا - اور قسمِ دوم کو جو کلیۃً مجرّدات عقلیہ پر مشتمل ہے - مَیں اشیاء مابعد الطّبیعات کے نام سے تعبیر کرونگا - اشیاء طبعی میں مادی چیزوں کے ساتھ جو مجرّدات عقلیہ شامل ہیں اور جنہیں فلاسفہ کی اصطلاح میں عرض سے تعبیر کیا جاتا ہے - ان کا تصوّر مادی اشیا یعنے جوہر کا خیال ذہن میں لانے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا - مثلاً قوّتِ کششِ ثقل ایک عقلی شئے ہے جسے ہم روزمرّہ کی بول چال میں اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ گویا وُہ بجائے خود تشخّص کی صفت سے متّصف ہے لیکن اگر ہم بنظرِ تعمّق اُس کا انتہائی تجزیہ کرینگے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ قوّتِ مذکور ایک فرضی شئے ہے - جس کا تصوّر صرف اس بات کے مشاہدہ کرنے سے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ دو اجسام ثقیل ایک دُوسرے کو اپنی مقدارِ جرمیّت کی نسبت مستقیم اور اپنے فاصلہ مابین کے مربع کی نسبتِ معکوس میں کھینچتے ہیں - ورنہ اس کے اور کچھ معنے نہیں - حرکت کا خیال ہم اپنے ذہن میں لا سکتے ہیں - مگر اسی حالت میں جبکہ متحرک چیز کا خیال بھی ساتھ ہی ہمارے دماغ میں متمکّن ہو - ایک نقطۂ معیّنہ سے دوسرے نقطۂ معیّنہ تک اگر ہم ایک گیند کو لڑھکا دیں تو لڑھکنے کا عمل حرکت کہلائیگا - لیکن ناممکن ہے کہ گیند موجُود نہ ہو اور لڑھک خود بخود پیدا ہو جائے - علیٰ ہذا القیاس

حسن یا عدد ایسی مجرّد عن المادہ اشیا ہیں جن کا اُس وقت تک کوئی مفہوم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُن حواس سے محسوس ہو سکنے والی اشیا کا تصوّر ذہن میں نہ لائیں۔ جن کے ساتھ وُہ مربُوط و منسوط ہیں۔ حُسن کا خیال ایک حسین شخص کے خیال کے ساتھ اور عدد کا خیال متعدّد اشیا کے خیال کے ساتھ وابستہ ہے۔

اگرچہ اشیاءِ طبعی کی کُنہ کو پہنچنا بھی ہمارے لئے ناممکن ہے لیکن تاہم ایک معتدبہ حد تک اُن کی ماہیّت اور حقیقت ہم کو معلوم ہو سکتی ہے۔ گنّے کی مُصفّٰی شکر جسے ہم روزمرّہ کھاتے ہیں اس کی حقیقت ہم کو پُوری طرح پر معلوم ہونی چاہیئے۔ لیکن آؤ دیکھیں کہ اس کے متعلّق ہمیں کہاں تک واقفیت حاصل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ گنّے میں سے ایک خاص عمل کے ذریعہ نکالی جاتی ہے۔ منفصل اجزا سے مرکّب ہے۔ رنگ اس کا سفید ہوتا ہے۔ ذائقہ میں میٹھی ہوتی ہے۔ آگے چل کر علمِ کیمیا کی وساطت سے جب ہم اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بحساب وزن بارہ حصّہ کاربن بائیس حصّہ ہائیڈروجن اور گیارہ حصّہ آکسیجن شریک ہیں کاربن اور ہائیڈروجن عناصرِ بسیط ہیں جو سالموں سے مرکّب ہیں۔ سالمہ اس چھوٹے سے چھوٹے مادی ذرّہ کا نام ہے جو بلا مشارکت ذرّات دیگر آزادانہ طور پر وجود پذیر ہو سکتا ہے۔ اور ان سالموں کو اجزاءِ لایتجزّے ترکیب دیتے ہیں۔ مثلاً سیجن کے ایک سالمہ میں دو اجزا لایتجزّے عنصر آکسیجن کے شریک ہوتے ہیں۔ ذرا اور آگے چل کر ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ سالموں میں بعض خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ جنکو کشش کیمیاوی۔ حرارت مخصوص کشش اتّصال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور انہیں خواص کی بدولت سالمے ایک دُوسرے سے ملکر مادہ کو ترکیب دیتے ہیں۔ لیکن یہاں پہنچکر ہم کو ایک عظیم الشان سد اپنی جستجو کی راہ میں حائل نظر آتی ہے۔ جس پر نہ ہم استدلال کی کمند لگا کر چڑھ سکتے ہیں اور نہ قیاس کے پر لگا کر اُس کے دُوسری طرف جا سکتے ہیں۔

غرض کہ طبعی اشیا کی حقیقت کو ایک بڑی حد تک دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اشیا مابعد الطبیعات مثلاً زمانہ - خدا کی ذات وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ اُن کی ماہیت کا دریافت کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ اشیا طبعی و اشیا مابعد الطبیعات گویا دو سرزمینیں ہیں۔ جن میں سے ایک پر علوم و فنون کے ستاروں کی روشنی جھلملا رہی ہے۔ تحقیقات اور معلومات کی راہیں جا بجا کھلی ہیں۔ اور انسان کی عقل اُس کی مساحت میں شب و روز مرحلہ پیما ہے۔ لیکن دوسری پر ایک ایسی ظلمت کا بادل چھایا ہوا ہے۔ کہ نہ عقل کا نور اُس میں نفوذ کر سکتا ہے۔ نہ تصوّر کی ہوا اُسے اُڑا سکتی ہے۔ اس پردہ میں جو راز نہاں ہے اس کی جستجو میں فلاسفر استنباط کے بدرقہ کی ناکافی مدد سے میدانِ تعقل میں راہ گم کر کے سرنگوں خاموش کھڑا ہے۔ اور شاعر اپنی واہمہ کے "فریبندہ دیو" کے پیچھے پیچھے جا کر صحرائے تخیل میں بھٹکتا ہوا دیوانہ وار یہ کہتا ہے۔

یا ازلی الظہور یا ابدی الخفا — نورک فوق النظر حسنک فوق الثنا
نورِ تو بینش گداز حسنِ تو دانش گسل — فکرِ تو اندیشہ کاہ کنہِ تو حیرت زدا
ملتِ علم تراست بفتوائے قدس — خونِ تفکر ہدر خاکِ تعقل ہبا
بر درت اندیشہ را شحنۂ غیرت زند — لطمۂ حیرت برو سیلیٔ جہل از قفا
مبتدی و منتہی گرم ہوایت ولے — مبتدیاں ہرزہ گرد منتہیاں ژاژخا
نیست دماغے تہی از سرِ سودائے تو — مغزِ فلاطوں بسوخت زیں تفِ ماخولیا
بے جگرے ہمچو من کے رسد آنجا کہ شد — غیرتِ تو دشنہ زن برجگرِ اولیا

اشیا مابعد الطبیعات کی حقیقت کے دریافت کرنے کے متعلق انسان نے آج تک جو کوششیں کی ہیں اُن سے کوئی مفید نتیجہ مترتب نہیں ہوا اور اس لئے زمانہ حال کے علمانے اس بحث کو لاحاصل سمجھ کر بالکل ترک کر دیا ہے۔ آج کل علوم و فنونِ جدیدہ کا موضوع بالکل طبعی و مادی اشیا ہیں۔ انہیں کی تحقیق میں تمام کوششیں صرف کی جا رہی

ہیں۔ جزئی حقیقتوں کو معلوم کر کے اُن سے کلّی قوانین دریافت کیے گئے ہیں۔ جنکی مدد سے بہت سے ایسے جزئی راز جن کی حقیقت ابھی تک منکشف نہ ہوئی تھی دریافت ہوتے چلے جارہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ اس قدر تیز پا ترقی کر رہا ہے۔ زمانۂ قدیم میں باوجودیکہ نظام تمدن نہایت وسیع اور سلجھا ہوا تھا۔ باوجودیکہ مصر یونان ایران اور ہندوستان تہذیب کا مرکز و مصدر تھے۔ باوجودیکہ ارسطو افلاطون سقراط اور بطلیموس جیسے عاقل و فرزانہ لوگ موجود تھے۔ پھر بھی وہ ترقی اس زمانہ کو نصیب نہ ہوئی جسے آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی عقل و دانش کو لاحاصل اور غیر نتیجہ خیز باتوں کے دریافت کرنے میں صرف کر دیا۔ اور خدا کی ہستی کی ناممکن الادراک حقیقت۔ زمانہ اور خلد کی غیر ممکن الافہام ماہیت اور اسی قبیل کی دوسری نہ سمجھ میں آسکنے والی چیزوں کی کنہ کے دریافت کرنے میں منہمک رہے۔ اگر وہ نور اور حرکت اور کشش ثقل کے قوانین کو دریافت کرتے۔ عمل ارتقا کی حیرت انگیز حقیقتوں کے انکشاف سے اس عالم کون و فساد کی تمام چیزوں کو ایک نہ ٹل سکنے والے قانون کے حیز اطلاق میں لاتے۔ طبقات الارض۔ کیمیا۔ مناظر و مرایا۔ تشریح ابدان۔ علم ترکیب حیوانات و نباتات اور دیگر مفید علوم و فنون کی بنا ڈالتے۔ دوربین و خردبین کو ایجاد کر کے اجرام سماوی کے عظیم الشان نظاموں کا مشاہدہ اور مادہ کے اجزائے غیر مرئی کا تجزی کرتے۔ دخانی انجن۔ دخانی کشتی۔ اسپکٹروسکوپ۔ فوٹوگراف۔ برقی کلوں اور اسی قسم کی دوسری ایجادوں میں جنکی تفصیل کے لیے کئی ورق چاہئیں۔ اور جن پر زمانہ کو ناز ہے۔ اپنی عقل کو جو آج کل کی عقل سے کم جامع اور خردہ بین نہ تھی صرف کرتے تو جو ترقی ہم آج دیکھ رہے ہیں وہ آج سے چار ہزار برس پہلے ظہور میں آگئی ہوتی ✤

ظفر علی خان

پٹنہ

ہندوستان کے پُرانے شہروں میں جن کی قدیم یادگاریں سب خاک میں مل گئیں اور روز بروز ملتی جاتی ہیں اور جن کی جگہ نئی آبادی قائم ہوتی جارہی ہے۔ ایک عظیم آباد (پٹنہ) بھی ہے۔ جو دریائے گنگ کے کنارے دُور تک چلا گیا ہے۔ اِس کا پُرانا نام "پاٹلی پُترا" حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے تین سو برس قبل کا زمانہ یاد دلاتا ہے۔ جبکہ میگستھنیز نامی ایک یونانی سفیر ہندوستانیوں کے رسم ورواج اور اُن کے ملکی اور تمدّنی حالات کے دریافت کرنے کے لیئے آیا ہوا تھا۔ اُس نے ہندوستان پر ایک بہت بڑی کتاب لکھی تھی۔ جو افسوس اگر گم نہ ہوتی تو اُس زمانہ کے حالات دکھانے کا ایک روشن چراغ ہوتا۔ لیکن چونکہ اُس کے بعد کے مصنّفوں نے اُس کی کتاب کے ذریعہ سے بہت کچھ واقفیّت حاصل کر لی تھی۔ اس لیئے آج بھی ہم کو اُس قدیم عہد کی ایک مٹی مٹی تصویر مل سکتی ہے۔ جس زمانہ میں وُہ یُونانی سفیر اس کو دیکھ گیا ہے یہ ایک ہندو سلطنت کا پایہ تخت تھا اور ہندوستان بھر میں سب سے بارونق شہر تھا۔* اِس میں ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ تھا۔ اور عمارتیں کثرت سے تھیں۔ جن کے درمیان سے ادھر اُدھر شوالوں کی چند اُونچی اُونچی چوٹیاں سر اُٹھائے اُس وقت کی دلچسپ آبادی کا نظارہ کر رہی تھیں۔ اگرچہ اب سوائے اس کے پُرانے نام کے کوئی سی چیز بھی ایسی نہ رہی جو اُس اگلی دُنیا اور اگلے زمانے کو یاد دلائے۔ جب بھی پٹنہ پُرانی یادگاروں سے ایک دم خالی نہیں ہو گیا۔ آج بھی اس میں بہت سی عمارتیں ایسی ہیں جو قریب چار سو برس قبل کی کہانیاں سُنانے کو موجود ہیں۔ شاہی مسجد جس کے نیچے دریائے گنگ پیشانی رگڑ رہا ہے

* دیکھو "پٹنہ" انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا۔

اور اُس کے آس پاس کی ٹوٹی پھوٹی پُرانی عمارتیں جو مارے صدموں کے چُور ہوتی جارہی ہیں۔ ایک حسرت ناک خموشی کے ساتھ کھڑی زبانِ حال سے یہ کہ رہی ہیں کہ میں اُس لائق شخص کی یادگار ہوں جسنے اپنے بہت ہی تھوڑے زمانہٗ حکومت میں بڑے بڑے رفاہِ عام کے کام کئے۔ چار چار مہینے کے رستہ میں پھیلی ہُوئی سڑکیں بنوائیں۔ مناسب مقاموں میں اُن پر پختہ سرائیں بنوائیں۔ جا بجا کنوئیں کھدوائے۔ مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اُن میں امام اور مؤذن مقرر کئے۔ سڑکوں کے کنارے کنارے درخت نصب کرائے۔ جو نہایت ادب سے ہر مسافر کے لئے اپنے سایہ کا فرش بچھائے کھڑے تھے۔ کوسوں کا پتا بتانے کے لئے لب سڑک سنگ نشان* موجود تھے۔ جن کے سرے پر چیلوں اور کوّوں نے اُن کو قابلِ اعتبار اور سچّا بنانے کے لئے برہمنوں کی طرح چندن کا قشقہ لگا دیا تھا۔ گھوڑوں کی ڈاک قائم کی تھی کہ لوگوں کو ایک دُوسرے کی خبریں ملا کریں۔ غرض خلق اللہ کے آرام کے لئے بہتیرے کام کر گیا۔ لیکن افسوس زمانے نے سب کو تہِ خاک کر دیا اور کہیں کہیں پر جو کچھ یادگاریں رہ گئی ہیں۔ اُن کے لئے بھی اپنے قوی اور تیز ہاتھوں سے قبریں کھود رہا ہے ؏

*سنگ نشان۔ میل کا پتھر۔

علی محمود

جذباتِ نادر۔ کیا موزون نام سوجھا ہے! منشی نادر علی خاں صاحب نادر کاکوروی لکھنوی نے اپنے کلام کو جو وقتاً فوقتاً ملک کے نامور اخبارات اور رسالوں میں چھپکر نظرِ قدردانی سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ ایک رسالہ کی صورت میں جمع کر کے شائع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ مطبع شام اودھ لکھنؤ میں نہایت عمدگی سے چھپا ہے۔ اور فی الحقیقت نادر جذبات کا مجموعہ ہے۔ افسوس کہ قیمت کتاب کے سرورق پر درج نہیں۔ اس لئے شائقین اس سے اطلاع حاصل کرنے کے لئے۔ خود صاحب مصنّف سے بمقام کاکوری۔ یا منشی نوبت رائے صاحب نظرؔ مہتمم خدنگ نظر لکھنؤ سے خط و کتابت فرماویں ؏

ابوظفر بہادر شاہ

قوم انگریزی کی انصاف پسندی تو دیکھو۔ تاریخ ہندوستان کا مطالعہ کرتے ہوئے شان و شوکت عہد مغلیہ کو دیکھ کر بے ساختہ مغلوں کو خطاب دیا ہے۔ "دی گریٹ مغل"۔ یعنے مغل اعظم۔ جہاں اس خاندان کا ذکر انگریزی کتابوں میں آتا ہے۔ مغلوں کے خاندان کو اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ؎ نام نیکِ رفتگاں ضائع مکن۔ تا بماند نام نیکت یادگار۔ ان بزرگ رفتگان میں آخری مغل تاجدار ابوظفر بہادر شاہ تھا۔ آج جب سب رعایائے ہندوستان ایک عظیم الشان شاہنشاہ کی تاج پوشی کی مبارک رسم کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ ایشیائی خیالات کے موافق مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "دی گریٹ مغل" کے آخری یادگار کی بے نشان اور دور از وطن قبر پر بھی اُس کو بھلائی کے ساتھ یاد کرنے سے دو پھول چڑھا دیے جائیں :۔

تصوّر بھی انسان کو خدا نے ایک عجب نعمت عطا فرمائی ہے۔ بے تصوّر کے انسان ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ پرندہ جس کے کسی بے رحم صیّاد نے پر قینچ کر دیے ہوں۔ ذرا اسی نعمت کو مخزن کے ناظرین کام میں لائیں اور لاہور کے زندہ دل اور علم دوست حلقہ سے نکل کر تھوڑی دیر کے لئے دہلی تشریف لے چلیں۔ دہلی سے میری مراد آجکل کی دہلی نہیں جس کو "شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم" کی تاجپوشی کی شان و شوکت نے کم از کم عارضی طور پر بقعۂ نور بنا رکھا ہے۔ بلکہ اُس وقت کی دہلی کہ جب اگر تختِ ہندوستان پر نہیں تو کم از کم دہلی کے قلعہ میں خاندانِ مغلیہ کا آخری بادشاہ حکمران تھا۔ اُس وقت کو اگر دہلی کا شباب نہیں کہہ سکتے تو بڑھاپا کہنا بھی نازیبا ہے۔ اُس زمانہ میں اگر آجکل کی طرح تعلیم اور شائستگی نہ تھی تو بھی لوگ اپنی جہالت اور بدتہذیبی ہی میں مست تھے اور اپنے آپ کو دُنیا میں سب سے خوش گذران خیال کرتے تھے۔

جُمعہ کا روز ہے قلعہ کے دروازہ کے آگے دو رویہ فوج بادشاہ کی سلامی کو کھڑی

ہے اور اگرچہ اندرونی حالات تو اُس فوج کے وُہی ہیں جو سودا نے کسی قدر مُبالغہ کے ساتھ اپنے قصیدۂ شہر آشوب میں لکھے ہیں ؎

پیادے وُہ کہ ڈریں سر منڈاتے نائی سے سوار وہ جو گریں سوتے چارپائی سے

کرے جو رات کو گھوڑا کسی کے نیچے الول

لیکن ظاہر ٹیپ ٹاپ میں کوئی کسر نہیں۔ سب کی زرق برق کی وردیاں ہیں۔ ڈاڑھیاں چڑھی ہوئی ہیں اور تلواریں دو دو انگل میان سے باہر نکلی ہُوئی ہیں۔ اتنے میں سب مؤدّب اور خاموش ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "بادشاہ عالم" کی سواری برآمد ہونے والی ہے۔ ہاں وُہ دیکھو پہلے چند غلام اور حبشی آگے آگے دَوڑے ہُوئے آئے اس کے بعد بادشاہ خود تان جھان میں سوار جسے آٹھ کہاروں نے کندھے پر اُٹھایا ہُوا ہے برآمد ہُوئے۔ بادشاہ کا اب قریب قریب وہی سن ہے جس کی بابت اُنہوں نے خود ہی یہ کہا ہے کہ ع

باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

سُفید بگلے کے پر کی سی ڈاڑھی سینہ پر پڑی ہے مرصّع جیغہ اور سرپیچ لگا ہوا ہے اور تسبیح ہاتھ میں ہے۔ ڈیوڑھی پر تھوڑی دیر تک سواری کھڑی کی گئی۔ چوبدار پکارا کہ "بادشاہِ عالم" ظلِّ سُبحانی نگاہ روبرو۔ سب حاضرین سلام کے لئے زمین تک جُھک گئے۔ اُس کے بعد اہلکاروں نے نذریں گذرانیں اور مجرا کیا۔ کہاروں نے پھر بسم اللہ کہہ کر تان جھان اُٹھایا اور سواری بمعہ خدم و حشم و سپاہ و جلوس تمام شہر میں سے گذری اور پھر بادشاہ فریضۂ جُمعہ مسجدِ جامع میں گذران کر سیدھے قلعہ تشریف لے گئے۔

قلعہ میں بادشاہ کے لئے کچھ کم مشغلے نہ تھے۔ کئی سو تو بیویاں تھیں۔ مگر یہ تو ہر ایک ایشیائی امیر کا سدا سے طریقہ ہی رہا ہے۔ اِن بیویوں میں اکثر نیچ ذات کی بھی تھیں۔ قلعہ میں کوئی عورت بادشاہ سے پردہ تو کرتی ہی نہ تھی۔ کیونکہ بادشاہ خُدا

کا سایہ ہے اور جب خدا سے پردہ نہیں تو اُس کے سایہ سے کیا چھپنا۔ اور جو کوئی بادشاہ کی منظور نظر ہو گئی وہ عموماً بہت خوش قسمت خیال کی جاتی تھی اور فوراً محل میں داخل ہو جاتی تھی۔ جب اُس سے طبیعت سیر ہو جاتی تھی تو پھر کوئی نیا محل آجاتا تھا۔ لیکن اس بات کا الزام ابوظفر بہادر شاہ کو نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں کیا اُس کے متقدمین ایسا نہیں کرتے آئے تھے اور کیا یہ بات اُس کی سرشت میں نہیں داخل کی گئی تھی؟

رات کو اکثر شعرا کا مجمع ہوتا تھا۔ اساتذۂ وقت جو دہلی میں موجود تھے قلعہ میں جمع ہوتے تھے۔ اور اپنا تازہ کلام سناتے تھے۔ علاوہ شعرا کے بہت سے احباب بذلہ سنج مرنجاں مرنج بھی موجود ہوتے تھے۔ اور شعر گوئی ہی میں بہت سے لطائف ظرائف بھی ہوتے جاتے تھے۔ اس وقت ادب ایک حد تک بالائے طاق رکھدیا جاتا تھا اور سب جی کھول کر محظوظ ہوتے تھے اور بادشاہ کو خوش کرتے تھے۔ ان جلسوں میں اکثر ملک الشعرا شیخ ابراہیم ذوق کی دھوم رہتی تھی اور بادشاہ بھی بوجہ تلمذ کے اکثر انہیں کی زیادہ تعریف اور رعائت کرتے تھے۔ ابوظفر خود بھی اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ ذوق کی سی سادگی اور صفائی اُن کی غزلوں میں پائی جاتی ہے۔ اور ان غزلوں میں جو غدر کے بعد لکھیں بوجہ چوٹ کھائی ہوئی طبیعت ہونے کے مومن کا سا درد بھی پیدا ہو گیا تھا۔

خصوصاً ظفر کی نعتیں نہایت اعلیٰ پایہ کی اور پُر درد ہیں اور اکثر نعتیہ کلام کے شائق اور رقیق القلب لوگ تو انہیں پڑھ کر رو رو پڑتے ہیں۔

حقیقت میں غدر کا صدمہ بادشاہ کے لئے کچھ تھوڑا سا صدمہ نہ تھا۔ بہادر شاہ کے کچھ بھی قصور ہوں۔ لیکن غدر میں ارادۃً شرکت کا وہ خطاوار نہیں تھا۔ لوگوں نے اسکی کمزوری سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ زبردستی یا دل ناخواستہ اُسے اس بغاوت کا سرگروہ

بنا کر کھڑا کر دیا۔ وُہ بہتیرا انہیں سمجھاتا رہا کہ سلطنت برطانیہ کچھ ایسی بودی سلطنت نہیں کہ ایسے ایسے ہنگاموں سے ہندسے دست بردار ہو جائے۔ وہ بہتیرا منع کرتا رہا کہ دیکھو ظلم سے باز آؤ ظلم کبھی پھلتا نہیں۔ جو پودا بجائے بارانِ رحمت کے خون کی ندیوں سے سینچا جائے اس کے پھلنے کی کیا اُمّید ہے۔ وُہ بہتیرا فہمائش کرتا رہا کہ اپنے مذہب کے اصُولوں ہی کا کچھ خیال کرو اور عورتوں بچّوں بوڑھوں کو نہ مارو۔ لیکن بدنصیب بدبخت اور ظالم گروہ نے ایک نہ سُنی۔ بلکہ اُس کو بھی مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ اگر اُس کی کوئی خطا تھی تو یہی تھی کہ وُہ کیوں نہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر انگریزی کیمپ میں بھاگ گیا۔ لیکن ناظرین خود قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ یہ کیسی جُرأت و استقلال کا کام تھا۔ اور ابو ظفر جیسے کمزور طبیعت کے شخص سے اور پھر ایسی حالتوں میں محصُور ہو کر اس بات کی کہاں تک توقع ہو سکتی ہے۔ اِس ایک غلطی کا اُسے یہ خمیازہ بھگتنا پڑا کہ اپنے جوان جوان بیٹوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا۔ اپنی بنی ہُوئی عزّت ہاتھ سے کھوئی اور دہلی کے شاندار قلعہ سے نکلکر رنگون پہنچا۔ حضرت آدمؑ کو بھی جنّت سے نکلنے کا اگر افسوس ہوا ہوگا تو بس اتنا ہی ہوا ہوگا۔ اِس واقعہ کے بعد ہمیشہ بہادر شاہ کو موت کی آرزو رہی۔ لیکن موت کہیں مُنہ مانگے تھوڑا ہی ملتی ہے ؎

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

جتنی خدا کے ہاں عمر لکھی ہُوئی تھی وہ پُوری کرنی پڑی اور پُوری کی۔

باوجُود اپنی تمام کمزوریوں کے ابو ظفر بہادر شاہ اپنی ذات سے بہت نیک شخص تھا حِلم اور بُردباری حد درجہ کی تھی۔ علما اور فضلا کی بھی صحبت کا شوق رکھتا تھا اور سخاوت کا اس گئے گذرے وقت میں بھی یہ حال تھا کہ ذوق کو ایک قصیدہ کے صلہ میں فیلخانہ میں جتنے زنجیر فیل تھے۔ سب بخش دئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

اُس نے کوئی بڑا اہم تاریخی کام سرانجام نہیں دیا۔ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وُہ کیسے بُرے وقت میں اور کیسی ناخوش آیند حالت میں پیدا ہُوا۔

دہلی کو تو ابو ظفر کی جلاوطنی اور غدر کے صدموں نے بہت ہی بڑا نقصان پہنچایا اور اس وقت تو سچ مچ ہی اس کا چراغ گُل ہو گیا تھا۔ غنیمت ہے کہ تاج برطانیہ کے زیر سایہ تجارت کی ترقی اور تعلیم و شائستگی کی تحریک نے اُس کی لو کو پھر اُکسا دیا ہے۔

محمد سعید

صفیہ بیگم۔ اخبار "تہذیبِ نسواں لاہور" کی قابل ایڈیٹر محمدی بیگم صاحبہ نے جو کئی سال سے پڑھی لکھی مستورات کی دلچسپی اور نفع کے لئے بہت محنت اور سرگرمی سے ہفتہ وار اخبار نکال رہی ہیں۔ حال میں ایک چھوٹا سا ناول۔ کوئی اسّی صفحہ کا جو رفاہ عام پریس لاہور میں صفائی سے چھاپا گیا ہے۔ "صفیہ بیگم" نامی شائع کیا ہے (قیمت ۸ر) اس ناول میں صفیہ کی پُر درد کہانی ہر اہلِ دل کو رُلا دیگی۔ صفیہ ایک خواندہ اور سلیقہ شعار لڑکی ہے۔ جو اپنے ماں باپ کی زندگی کا سہارا ہے۔ اُنہوں نے اس کی تربیت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُس کی نیکی اور ہنرمندی کا شہرہ ہے۔ ہمسائیوں تک اس کے خیرخواہ ہیں۔ مگر اُس کی ماں نے اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کا رشتہ اپنے شوہر کے بھتیجے سے کر رکھا ہے۔ اس ایک غلطی سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن میں آخر صفیہ بیچاری کی جان جاتی ہے۔ اور اس قصہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے۔ کہ اندھا دُھند رشتے ناطے کرنے سے بڑھ کر کوئی اور دشمنی اپنی اولاد کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ خُدا کرے جو عورتیں اس کہانی کو پڑھیں وُہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ اور مرد بھی اس معاملہ میں عورتوں کی رائے کے پابند نہ ہیں۔ بلکہ وہ بات کریں جس میں اولاد کا بھلا ہو۔ ہمارے ملک میں ابھی نتیجہ خیز ناول کثرت سے نہیں پھیلے۔ یہ ناول گو چھوٹا سا ہے مگر نصیحت خیز ہے۔ اس لئے قابلِ قدر ہے۔ مزید خوبی یہ کہ ایک ایسی خاتون کے قلم سے نکلا ہے۔ جو خصوصیت سے حوصلہ افزائی کی مستحق ہے +

پُرانے لکھنؤ کی ایک جھلک

گو قدامت کے اعتبار سے دہلی کا پایہ بلند ہے۔ مگر شاہی میں لکھنؤ پر بھی ایک ایسا رنگ آیا ہے۔ جس کا نظیر چشمِ فلک نے کم دیکھا ہے۔ دہلی کے نصیب جاگے کہ اس میں پھر ایسا جشنِ ہمایوں ہُوا۔ کبھی کسی تقریب پر لکھنؤ کو بھی یاد کیا جائے تو کیا عجب ہے۔ سردست اپنے خیال کو گذشتہ صدی کے اوائل کی طرف لیجایئے۔ اور ایک عالی خاندان انگریزی خاتون کے چشم دید حالات اُس کی ایک سہیلی کی زبانی سُنیئے۔ ہائے کیا کیا لوگ تھے! اور کیا کیا صورتیں تھیں جو خاک میں مل گئیں! جہاں آج لکھنؤ کا سب سے خوبصورت پارک ہے۔ وہیں کسی زمانہ میں محلاتِ شاہی تھے۔ اور اُن میں آئے دن وہ دھوم دھام اور جلوس نظر آتے تھے۔ جن میں سے ایک کا بیان درج کیا جاتا ہے۔ آج وہاں سبز سبز گھاس، سُرخ سُرخ سرکیں چھوٹے چھوٹے خوشنما پودے۔ اور کہیں کہیں لالہ و گل بہار دے رہے ہیں۔ مگر

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں!

اکتوبر ۱۸۲۸ء۔ میری ایک معزز دوست جو آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں بادشاہ کے جشن تخت نشینی کی کیفیت اس طرح لکھتی ہیں:۔ اٹھارہ اکتوبر کو بادشاہ کی تخت نشینی کی سالگرہ تھی اور میں بھی اِس مُبارک رسم میں شریک ہوئی تھی۔ اِس تقریب کے اختتام کے بعد ہم سب بادشاہ کی والدہ کے محل میں گئے۔ جہاں تمام بیگمات اور شاہزادیاں آج مدعو تھیں۔ کہاریاں ہمارا تام جھام اُٹھا کر محل میں لیگئیں۔ دروازہ کے قریب اردا بیگیوں اور مُغلانیوں کی ایک چھوٹی سی پلٹن مردانہ لباس پہنے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے عصا لئے ہماری تعظیم کے لئے صف بستہ کھڑی ہُوئی تھی۔ بادشاہ بیگم صاحبہ (نصیر الدین حیدر کی والدہ) بہت سادہ پوشاک پہنے تھیں اور کسی قسم کا زیور بھی اُن کے بدن پر نہ تھا۔ شاہ متوفی کی ایک اور بیگم جو بہت کم سن اور خوبصورت تھی اُنکے پاس بیٹھی ہُوئی تھی۔ مگر اُس کا لباس بھی بہت

سادہ تھا۔ کیونکہ یہاں کے دستور کے مطابق بیوہ عورتیں مکلّف پوشاک اور زیورات سے احتراز کرتی ہیں۔ بادشاہ حال کی بیگمات نہایت قیمتی اور نفیس پوشاکیں زیب بدن کیے ہوئے تھیں۔ اور بیش بہا جڑاؤ زیورات سے لدی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک بیگم بالخصوص ایسی حسین تھیں کہ میں نے اپنی یاد میں ہندوستان یا انگلستان میں کہیں اُن سے زیادہ خوبصورت عورت نہیں دیکھی۔ بادشاہ آجکل اُنپر بہت فریفتہ ہیں اور اُن کی شادی بھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ ان کا سن قریب ۱۴ برس کے ہوگا۔ ہاتھ پاؤں بہت چھوٹے چھوٹے اور نازک ہیں۔ اعضا کے تناسب کے علاوہ نقشہ ایسا سڈول ہے کہ میں نے اس سے زیادہ دلاویز اور دلکش چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ اور ان کو دیکھ کر بار بار میرا خیال مُور شاعر کی مشہور ہیروانِ لالہ رُخ" کی طرف جاتا تھا۔ ان کی حرکات اور طرز نشست سے غایت درجہ کی سکینی۔ حیا پوری اور حجاب مترشح تھا۔ پوشاک سُرخ کمخواب کی تھی اور بال بال میں موتی پروئے ہُوئے تھے۔ زلفیں شانوں پر بکھری ہُوئی تھیں اور پیشانی پر ایک چھوٹا سا جھومر آویزاں تھا جس میں بڑے بڑے موتی اور زمرّد جڑے ہُوئے تھے۔ کانوں میں بہت سی بالیاں تھیں جس میں بیشمار زمرّد لعل اور موتی جڑے ہُوئے تھے۔ گلے میں متعدّد موتیوں کی مالاؤں کے علاوہ ہار اور کنٹھے تھے جو اُن کے حُسن کو دوبالا کرتے تھے۔ نتھ میں دو بڑے بڑے موتی اور ان کے بیچ میں ایک بیش قیمت زمرّد آویزاں تھا۔

پشواز اس قدر بھاری تھی کہ کئی پیش خدمتیں اُسے سنبھالے ہُوئے تھیں۔ جس کوچ پر یہ بیگم صاحبہ متمکن تھیں۔ اُس کے گرد کئی خواصیں اس غرض سے استادہ تھیں کہ دوپٹہ کو درست کرتی رہیں۔ کیونکہ ذرا سی حرکت سے موتی کمخواب کے بھاری دوپٹے میں اُلجھ جاتے تھے۔ ان سے اور بیگمات بہت حسد کرتی ہیں۔ جس کا سبب یہ ہے کہ بادشاہ اور اُن کی والدہ دونوں ان پر از بس مہربان ہیں۔ بادشاہ نے انہیں نواب

تاج محل بیگم کا خطاب عنایت کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ خود نور جہاں بھی اس سے زیادہ حسین اور جمیل نہ ہو گی۔

ایک اور نئی بیاہی ہوئی بیگم بھی اُن کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ ایک انگریز سوداگر کی بیٹی ہے اس کی شکل صورت بہت معمولی ہے۔ مگر یہاں کی مستورات اُسے بہت خوبصورت تصوّر کرتی ہیں۔ اس کی پوشاک تاج محل کی پوشاک سے بھی زیادہ پُرتکلف تھی۔ اور اس کی پیشانی پر بھی ایک بہت بیش قیمت مرصّع جھومر الماس کا تھا۔ اس زیور کی شکل ہلال سے بہت مشابہت رکھتی ہے* یہ بیگم خاص تعلیم یافتہ ہے۔ یعنے اپنی مادری زبان انگریزی کے علاوہ اُردو فارسی بھی اچھی طرح لکھ پڑھ لیتی ہے۔ لیکن جب ہم نے اس سے انگریزی میں ہمکلام ہونا چاہا تو اُس نے جواب دیا کہ میں اب انگریزی بھُول گئی ہوں۔ سُنا جاتا ہے کہ بادشاہ اس سے انگریزی پڑھتے ہیں۔ تاج محل سے شادی ہونے سے پیشتر بادشاہ اسے نہیں چاہتے تھے۔ باوجودیکہ یہ دونوں بیگمیں برابر ایک ہی کونچ پر بیٹھی ہوئی تھیں جوشِ رقابت ان دونوں میں اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ مطلقاً آپس میں بول چال نہیں ہوئی۔ نواب ملکہ زمانی بیگم جو صاحبِ اولاد ہونے کی وجہ سے بہت اقتدار رکھتی ہیں اس صحبت میں شریک نہ تھیں۔ ہم خود اُن کے محل میں مُلاقات کے لئے گئے۔ خاندان مُغلیہ کی شاہزادی جس سے کہ شاہ

---

* یہ بیگم دراصل ایک انگریزی افسر کی بیٹی ایک دوغلی عورت کے بطن سے ہے۔ بعد میں اسکی ماں نے ایک دولتمند مہاجن سے تعلق پیدا کر لیا۔ اسکی ایک اور بہن بھی ہے۔ یہ دونوں بہنیں جب اپنی ماں کے پاس رہتی تھیں تو اپنے گذارہ کے لئے دولتمند شرفا کے گھوڑوں کے زین پوش کاڑھا کرتی تھیں شکل صورت دونوں کی واجبی تھی لیکن ان میں سے ایک نے اپنی تصویر بادشاہ کو بھیجی۔ جس نے فریفتہ ہو کر اُس سے شادی کر لی۔ پھر تو روپیہ کی ریل پیل ہو گئی۔ اور اس نئی بیگم نے اپنے سوتیلے باپ یعنے اس مہاجن کو خزانچی مقرر کر لیا۔ اور اپنی ماں اور بہن کی خاطر خواہ پنشن مقرر کر دی۔

متوفی نے بادشاہ حال کی بچپن میں شادی کی تھی اپنے محل میں نظر بند ہے۔ بادشاہ اُن سے بہت کشیدہ خاطر بھی سُنا جاتا ہے کہ اُن کے حُسن و جمال کو ان میں سے کوئی بیگم نہیں پہنچتی۔

نواب وزیر اودہ کے بادشاہ ہونے کی اصلی کیفیت یہ ہے کہ نواب سعادت علی خاں کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹے مرزا غازی الدین حیدر نے اپنے نائب آغا میر کے صلاح و مشورہ سے شاہ دہلی کی اطاعت سے انحراف کیا اور سرکار انگلشیہ کی اجازت لیکر اپنی قلمرو میں سونے اور چاندی کا سکّہ اپنے نام سے جاری کیا۔ غازی الدین حیدر کے دراصل کوئی لڑکا نہ تھا صرف ایک بیٹی تھی جو اپنے چچازاد بھائی سے منسوب ہوئی۔ اُس کے لڑکے کا نام محسن الدولہ ہے اور وہی دراصل اصلی وارث تاج و تخت ہے۔ بادشاہ نے بجائے اِس کے کہ اپنے نواسے کو اپنا جانشین مقرر کرتے یہ ظاہر کیا کہ نصیر الدین حیدر جو ایک حرم کا لڑکا تھا اُن کا اصلی لڑکا ہے۔ یہ شخص اکحل بادشاہ ہے۔ انگریزی حکّام اس کے حسب و نسب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ شاہِ حال کی وفات پر جانشینی کا ضرور تنازع ہوگا۔ کیونکہ بجائے اصلی وارث فریدوں بخت مناجان کے ایک لڑکے کو جسے کیوان جاہ کا خطاب دیا ہے وارث مقرر کرنا چاہتا ہے۔ نوّاب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں آج کل وزیر اعظم ہیں۔ حاضری کے وقت بھی اُن کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ حاضری کے بعد بادشاہ کا پیچوان نواب کے سامنے لایا گیا۔ یہ بڑی بھاری عزّت تصوّر کیجاتی ہے۔ کیونکہ رعایا میں سے کوئی شخص بادشاہ کے سامنے حُقّہ نہیں پی سکتا۔ حاضری کے بعد بادشاہ دوسرے کمرے میں گئے۔ یہاں پر ریذیڈنٹ نے حسب دستور بادشاہ کی دستار اُتار کر تاج شاہی اُن کے سر پر رکھا اور بادشاہ تخت پر جلوس فرما ہوئے۔ آج تاریخ جلوس کی سالگرہ ہے کیوان جاہ بڑا لڑکا جس کی عمر ۱۴ برس کی ہے۔ ایک بدشکل نیچ قوم کا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔

اس کے حرکات و سکنات سے بھی کم اصل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے بادشاہ کو نظر دی اور چار پانچ خلعت رقوم جواہر مرصّع تلوار ڈھال اور خنجر ہاتھی پالکی وغیرہ اُسے عنائت ہُوئے۔ اس کے بعد فریدوں بخت جو ایک شکیل تیز طبع ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے نذر لیکر گیا۔ اس کو بھی اسی طرح کا سامان خلعت میں مرحمت ہُوا۔ اب نواب حکیم مہدی پیش ہُوئے۔ دستار مع سرپیچ مرصّع شال و خلعت عطا ہوا۔ انہوں نے نہایت ادب سے جُھک کر تسلیمات عرض کی۔ جب محسن الدولہ وارثِ حقیقی نذر دینے کے لئے آگے بڑھے تو بادشاہ کا چہرہ مکدّر معلوم ہوتا تھا اور اُس کے چہرہ پہ افسوس اور رنج کی علامت نمایاں تھی۔ محسن الدولہ بہت وجیہ خوبصورت جوان ہے۔ اور نہایت ذکی اور تیز فہم ہے۔ مجھے یہ امر بہت ناگوار معلوم ہُوا کہ اصلی وارث ایک نامنصفانہ رواج کی پابندی کے سبب سے غیر مستحق شخص کو نذر دے اور اپنا بادشاہ تسلیم کرے۔ اور اس رسم کے اختتام کے وقت جواہرات کی بوچھاڑ ہوئی۔ رزیڈنٹ کی اور میری آستین پر چند جواہر آ پڑے تھے۔ مَیں نے رزیڈنٹ کو آستین جھٹکتے ہُوئے دیکھ کر اس کی تقلید کی اور جواہرات زمین پر پھینک دیئے۔ شاہی خواصوں نے سب جواہرات سمیٹ کر باہم تقسیم کر لئے۔ اس بوچھاڑ میں زمرّد پکھراج نیلم اور ہیرے تھے۔ کیسی قیمتی اور تعجب خیز بخشش ہے*

سری رام

حصّہ میں آگیا ہے دلِ مبتلا کے رنج
دن رات ہیں غضب کے ترددّ بلا کے رنج

ہوتا ہے درد و غم کا اثر اہلِ درد پر
کرتے ہیں رنج دیکھ کے خلقِ خدا کے رنج

ہو کوہ بھی تو ہے وہ پرِ کاہ سے سبک
ہے ہیچ سامنے دلِ صبر آزما کے رنج

(حبیب)

تصویر یاس

انگلستان کی مشہور جادو نگار فسانہ نویس عورت "جارج ایلیٹ" نے - جس کے حالات مخزن میں درج ہو چکے ہیں - ایک غریب جلاہے کا جسے مدت العمر طرح طرح کی مایوسیوں کا منہ دیکھنا پڑا - اور جس کی اُمید کا سُوکھا ہُوا درخت آخر ایک بچے کے ذریعہ ہرا ہوا - قصہ لکھا ہے - جس میں سائلس مارنر (جلاہے کا نام) کیا دکھایا ہے - بلکہ یاس کی تصویر کھینچ دی ہے - منشی حاجی محمد خان صاحب علیگڈھ کالج سے فسانہ کے اُس حصّہ کا خلاصہ بھیجتے ہیں جہاں سائلس لُٹ جاتا ہے اور اپنی زندگی کا آخری سہارا بھی ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بدحواس ہو جاتا ہے - "جارج ایلیٹ" کی یہی خصوصیت ہے - کہ اُس نے سوسائیٹی کے ادنےٰ طبقہ کے حالات اور جذبات سے ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - اور کون ہے جس کا اس غریب جلاہے کا حال دیکھ کر دل موم نہ ہو! —

سائلس مارنر زندگی کی ابتدائی منزلوں میں خوش اعتقادی - سخاوت - محبت اور ملنساری کی وجہ سے اپنے خاص فرقے میں ممتاز تھا - زمانہ کی بے وفائی کا کیا کہنا ہے کہ غریب جُلاہے کے سب سے بڑھکر پیارے دوست کی چالاکی اور مکاری سے وُہ ایک چوری کا مجرم قرار دیا گیا - بیرونی شہادت کی بنا پر ممکن نہ تھا کہ سائلس بری ہو سکتا - سب کی خواہش کے مطابق فال ڈالی گئی - سائلس کو یقین تھا کہ عالم الغیب خدا فال کا نتیجہ ضرور اُس کے حق میں ظاہر کریگا مگر اس کی بدنصیبی سے فال نے بھی اس کے جُرم کی تصدیق کی - اپنے دوست کی غدّاری اور بے ایمانی کا راز تو اس پر کھُل ہی چکا تھا - اب عالم بالا کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی - اس نے یقین کر لیا کہ کوئی انسان ایماندار اور کوئی خدا انصاف پرور نہیں ہے - اور جب تھوڑے روز بعد اُسے یہ معلوم ہوا کہ جس عورت سے اس کی نسبت ٹھہر چکی تھی - اُس نے اس کے بے وفا دوست سے شادی

کرلی ہے۔ تو وُہ ترکِ وطن کرکے ایک دُوسرے گاؤں میں جہاں نہ کوئی اس کا واقف تھا نہ آشنا۔ چلا گیا اور ایک جھونپڑی میں جو گاؤں سے باہر غیر آباد پڑی تھی۔ اپنا کام شروع کر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے کپڑا بُنواتے تھے اُس نے کسی سے بھی راہ و رسم پیدا نہیں کی۔ بلکہ ان سے بھی سوائے کپڑا بُن دینے اور اُجرت کے وصُول کر لینے کے اور کوئی غرض نہیں رکھی۔ اُسے بھُولے سے بھی کبھی یہ خیال نہ آیا کہ کوئی خُدا بھی ہے۔ اُس کی بیگانگی۔ نزالی وضع۔ اس کی عجیب طرزِ زندگی۔ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے۔ جھکے قد اور موٹے دیدوں نے گاؤں میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سائس کا جنّات سے تعلّق ہے۔ کبھی کبھی مرض صرع کے دَورہ سے بے حس و حرکت ہو جانا اس پر اور طُرّہ ہُوا۔ شامتِ اعمال سے ایک دفعہ اس نے ایک بیمار عورت کو کسی جڑی بوٹی کی مدد سے اچھا کر دیا۔ تو اس خیال پر یہ ایک اور حاشیہ چڑھا۔ اور وُہ خیال لوگوں کے دلوں میں اور بھی راسخ ہو گیا۔ اب تو لوگ خود بھی اُس سے پہلو تہی کرنے لگے اور بیچارہ ستم زدہ سائس مکڑی کی طرح دین و دنیا سے الگ کُنجِ تنہائی میں بیٹھا شب و روز اپنا جالا بُنا کیا۔ پندرہ برس کی شدید محنت اور اس سے بھی بڑھ کر کنجوسی سے اُس نے کئی سو پونڈ جمع کر لئے۔ کرگہ کے پائدان میں ایک گڑھا کھودا اور اُن اشرفیوں کو چمڑے کی دو تھیلیوں میں بند کر کے اس میں دفن کر دیا۔ جب شام کا کھانا کھا چکتا تو اپنا دفینہ نکال کر اشرفیوں کو میز پر (آخر دلائت کا جولاہا تھا) انڈیل دیتا۔ کبھی ہاتھوں میں بھر بھر کے ان کے ساتھ کھیلتا۔ کبھی ان کو چھوٹے چھوٹے مربعوں کی صورت میں۔ کبھی دائروں کی شکل میں ترتیب دیتا اور گھڑیوں چپ چاپ بیٹھا دیکھا کرتا۔ اور دل ہی دل میں خوش ہوتا تھا۔ دُنیا میں کوئی چیز سوائے اِن اشرفیوں کے اس کے دل پر قدرت نہیں رکھتی تھی۔ وہ انہیں کو اپنا خُدا۔ اپنا معبُود۔ انہیں کو اپنا عزیز اپنا مولود سمجھتا تھا۔ ایک دِن سرِ شام ہی سے وُہ کچھ دیر کے لئے اپنی جھونپڑی سے باہر جاتا ہے کہ اتنے میں

اس کی ساری اشرفیاں چُرائی جاتی ہیں۔ واپس آکر کھانا کھاتے ہی وہ حسب معمول دفینہ کھودنے کا ارادہ کرتا ہے۔

وُہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور نہایت اطمینانِ قلب کے ساتھ چراغ کرگہ کے قریب زمین پر رکھدیا پھر بغیر کسی تغیر و تبدّل کا نشان دیکھنے کے اُس نے ریت کو ہٹاکر اینٹیں اُکھاڑ لیں۔ خالی گڑھے کو دیکھتے ہی اس کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مگر یہ یقین کہ اُس کی اشرفیاں کھوئی گئی ہیں یکایک اُس کے دِل میں نہیں آگیا۔ صِرف ایک خوف سا معلوم ہوا اور اس خوف کے دُور کرنے کی پُرشوق کوشش سے اپنے کانپتے ہاتھ سے گڑھے میں ہر طرف ٹٹولا کہ شاید اُس کی نظر نے اُسے دھوکہ دیا ہو۔ پھر چراغ ہاتھ لیکر گڑھے کے سامنے کیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اس کے بدن میں رعشہ ہر لحظہ ترقی کر رہا تھا آخر کار وہ اِس زور سے کانپا۔ کہ چراغ اُس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کی طرف اُٹھائے کہ شاید ایسا کرنے سے وہ طبیعت پر قابو پاکر کچھ غور و فکر کر سکے۔ کیا میں نے کسی فوری ارادہ سے رات اشرفیاں کسی اور جگہ تو نہیں رکھدی تھیں جسے پھر بھول گیا ہوں؟ کوئی شخص جو گہرے پانی میں گر پڑا ہو وہ دم بھر کے لئے پھسلنے پتھروں پر ہی پاؤں ٹیکانے کو غنیمت سمجھتا ہے۔ بعینہٖ سائلس مارنر کی حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ باطل امیدوں پر بھروسہ کر کے حسرت و مایوسی کی گھڑیاں کاٹنا چاہتا ہے۔

اس نے ایک ایک کونہ دیکھ لیا۔ بسترے کو اُلٹ پلٹ کیا۔ کبھی جھاڑا۔ کبھی پھرتہ کیا۔ پھر پُختہ انگیٹھی کے اندر کہ جہاں وہ ایندھن رکھا کرتا تھا ڈھونڈا اور جب جستجو کے لئے کوئی جگہ بھی باقی نہ رہی تو ایک دفعہ پھر گھٹنوں کے بل جھکا اور گڑھے کو خوب ٹٹولا۔ افسوس اب کوئی ایسی جگہ باقی نہیں رہی جس میں تلاش کرنے سے اس خوفناک حقیقت سے دم بھر کے لئے بھی پناہ ملتی!

مگر ہاں ایک پناہ باقی تھی۔ وہ پناہ جو کسی زبردست ولولہ کے قوّتِ فکری کو زائل کر دینے

سے پیدا ہوجاتی ہے ۔ یہ وہ محالات کی آرزو ۔ ضدیں صورتوں کی صداقت کا تیقن تھا کہ جو وحشت و جنون سے صرف اسی لئے متمیز ہے کہ بیرونی واقعات سے معدوم ہوجاتی ہے ۔ سائلس کانپتا ہوا گھٹنے ٹیک کر اُٹھ کھڑا ہوا اور میز پر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا ۔ جھونپڑی میں ہر طرف نظر دوڑائی ۔ اس کا شربتی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا ظاہر کرتا تھا کہ اس اُمید میں ہے کہ اُس کی تھیلیاں کسی ایسی جگہ نظر آنے لگینگی جہاں وُہ پہلے فضول تلاش کر چکا ہے ۔ اپنی جھونپڑی کی ہر ایک چیز نظر آتی تھی اور نہیں نظر آتی تھی تو اشرفیاں !

ایک دفعہ پھر اُس نے لرزتے ہُوئے ہاتھوں سے سر کو پکڑ لیا اور ایک وحشتناک ۔ گونجتی ہُوئی چیخ ماری ۔ یہ محض بربادی کی فریاد تھی ! اس کے بعد تھوڑی دیر تک وُہ بے حس و حرکت کھڑا رہا ۔ چیخ نے حقیقتِ واقعہ کے پہلے وحشت اثر زور کو زائل کر دیا تھا ۔ وُہ پیچھے کو مُڑا اور لڑکھڑاتا ہوا کرگہ کی طرف چلا ۔ جس نشیب پر بیٹھ کر ہر روز کام کیا کرتا تھا وہیں بیٹھ گیا ۔ فطرت نے اس کو بتا دیا کہ حقیقتِ واقعہ کا عمدہ سے عمدہ ثبوت یہی ہے ۔

اب کہ ساری جھوٹی اُمیدوں کا جادو اُتر چکا اور تیقن کا پہلا صدمہ گذر چکا تھا چور کا خیال اُس کے دل میں آنے لگا اور اس خیال کو اس نے نہایت شوق سے خیر مقدم کہا ۔ کیونکہ ممکن ہے چور پکڑا جائے اور روپیہ واپس مل جائے ۔ اس خیال نے اس میں کچھ تازہ قوت پیدا کر دی اور وہ کرگہ سے اُٹھ کر دروازے کی طرف چلا ۔ دروازہ کھولا ہی تھا کہ بے رحم مینہہ کے تھپیڑے پڑنے لگے ۔ کیونکہ بارش شروع تھی اور مینہہ کا زور ہر گھڑی بڑھتا جاتا تھا ۔ ایسی رات میں نقش پا سے کیسے کھوج مل سکتا ہے ؟ نقش پا کیسا ؟ چور آیا ہی کب تھا ؟ دن کے وقت سائلس کی عدم موجودگی میں دروازہ میں قفل پڑا ہوا تھا ۔ اور دن کی روشنی میں اُس نے واپس آکر کسی کے اندر گھس آنے کا کوئی نشان نہیں دیکھا تھا ۔ اور رات کے وقت (اُس نے اپنے دل میں سوچا) تو میں نے

ہر ایک چیز کو اسکی اصلی جگہ پر پایا تھا۔ ریت اور اینٹیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جگہ سے سرکیں تک نہیں۔ کیا وُہ شخص جس نے تھیلیاں نکالی ہیں۔ ضرور کوئی چور ہی تھا؟ یا کیا کوئی ایسی بے رحم آسمانی طاقت تھی۔ جہانتک کسی ہاتھ کی رسائی نہیں ہوسکتی اور جس کو میرا ایک دفعہ پھر برباد کرنا منظور تھا"؟ وہ اِس خفیہ خطرے سے چوکنّا ہوا اور اپنی خیالی آنکھوں سے پھر اسی مجسّم ٹیڑے کو دیکھنے لگا جس کو ہاتھ پکڑ سکیں۔ اُس نے اپنے سارے ہمسائیوں پر ایک ایک کرکے نظر دوڑائی جنہوں نے کبھی بھی کوئی بات کہی تھی یا ایسا سوال پوچھا تھا جس کو وہ اب اشتباہ کی بُنیاد قرار دے سکتا۔ ایک تو جیم راڈنی تھا کہ جو پرایا شکار مارنے میں مشہور اور یُوں بھی بدنام تھا۔ وُہ کئی دفعہ کھیتوں میں سائلس سے دوچار ہُوا تھا اور اُس نے جُلاہے کے روپئے کی نسبت کچھ نہ کچھ فقرہ کہا تھا۔ یہانتک کہ ایک بار جو وہ سائلس کے ہاں اپنی چلم پر آگ رکھنے کو آیا تو بجائے اِس کے کہ اپنی راہ لیتا چُولہے کے قریب اتنی دیر ٹھہرا کہ سائلس بہت دِق ہوا تھا۔ ہونہو جیم راڈنی ہی چور ہے۔ اس خیال سے کچھ تسکین سی ہُوئی۔ جیم گرفتار ہوسکتا اور روپیہ واپس ہوسکتا تھا۔ سائلس کی یہ خواہش نہ تھی کہ جیم راڈنی سزایاب ہو۔ وُہ صِرف اپنا کھویا ہُوا روپیہ لیا چاہتا تھا۔ جس نے اُس کے دِل کی وُہ حالت کردی تھی جو ایک بھُولے بھٹکے مسافر کی کسی بے نام ونشان بیابان میں ہو۔ چور کا گرفتار ہونا نہایت ضروری ہے۔ سائلس کے دِل میں اختیارِ عدالت کے خیالات نہایت دُھندلے سے تھے۔ مگر اُس نے سوچا کہ وُہ جاکر اپنے نقصان کا اِعلان کرے۔ تو گاؤں کے بڑے لوگ یعنی پادری۔ چوکیدار اور اسکوائر کیس خود جیم راڈنی یا کسی دُوسرے شخص کو چوری کا مال لوٹا دینے پر مجبور کرینگے۔ اس امید کے جوش میں وُہ لپک کر بارش میں ہو رہا۔ اُسے خیال بھی نہ ہُوا کہ وہ برہنہ سر ہے۔ دروازہ بند کرنے کی بھی اُس نے کچھ پرواہ نہیں کی۔ دِل میں سوچا کہ اب

رکھا ہی کیا ہے جو کوئی لیجائیگا۔ ؎

هم فقیروں کے لیے ہے تنگدستی قفل در
اپنے دروازے کو کچھ زنجیر کی حاجت نہیں

وہ نہایت تیزی سے بھاگا جاتا تھا۔ کہ گانوں میں پہنچکر عین اس موڑ پر کہ جو قوس قزح (نام قہوہ خانہ) کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہانپنے لگا اور رفتار کو سست کر دینے پر مجبور ہو گیا۔ سائلس "قوس قزح" کو امیر اور ایسے موٹے تازے آدمیوں کی عشرت گاہ سمجھے ہوئے تھا کہ جن کے گھروں میں کپڑے کے انبار لگے ہوئے ہوں۔ وہ سمجھا کہ ریویو (نام گانوں کا) کے جلیل القدر لوگ یہیں ملینگے اور اسی جگہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے نقصان کی اطلاع دیسکیگا۔ وہ اندر چلا گیا اور ایک طرف کو بت کی طرح کھڑا ہو گیا ...... اتفاق سے سب لوگ جنوں کی ہستی پر بحث کر رہے تھے۔ اُس کو خلاف معمول اس حالت میں دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے۔ کچھ دیر تک تو کسی کو جرأت نہ پڑی کہ سائلس کو مخاطب کرتا۔ آخر کار صاحب خانہ نے اس فرضی جن پر عمل کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اور نہایت نرمی سے پوچھا "ماسٹر مارنر آپ کیا چاہتے ہیں۔ اور یہاں کیسے تشریف لائے"؟ سائلس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں جواب دیا "لُٹ گیا! ہائے میں لٹ گیا۔ مجھے چوکیدار ...... اور منصف ...... اور سکوائر کیس ...... اور مسٹر کریکنتھراب کی تلاش ہے"۔

اِک بلا ہے یہ دلِ ناعاقبت اندیش بھی
میرا بہکایا ہوا ناصح کا سمجھایا ہوا

تو نہ کڑھنا اے دلِ بیتاب کیسا ترکِ عشق
وہی ہے کچھ حضرتِ ناصح کا فرمایا ہوا

(مرزا)

دہلی اور دربار

مدِ نظر ہے دہلی و دربار کا بیاں — رفعت میں ہے زمینِ سخن رشکِ آسماں
گنجینۂ خیال ہے! یا گنجِ شائگاں — معنی ہے شاہ ۔ طبع ہے دستورِ یزداں

تختِ شہی کا مرتبہ صفحے نے پایا ہے
بالِ ہما قلم ہے! تو ہر لفظ سایا ہے

دہلی نہیں! ڈھلی ہے یہ سانچہ میں نور کے — خاکے گئے یہیں سے بہشتی قصور کے
جلوے بیاضِ صبح میں ہیں حسنِ طور کے — انداز شب میں مردمکِ چشمِ حور کے

یہ وہ زمیں ہے جس پہ ہے روئے زمیں کو ناز
عظمت پہ جس کے رفعتِ عرشِ بریں کو ناز

یہ جا ہے وہ جو مظہرِ ظلِ الٰہ ہے — جس کی دلیل ناصیۂ مہر و ماہ ہے
ہر سو ظہورِ شوکتِ عالم پناہ ہے — اقبالِ مغلیہ کا یہی جلوہ گاہ ہے

گردوں نثار ہوتا ہے پھر پھر کے آج تک
اصلا ہوئی رسائی نہ اس کے مزاج تک

روشن اسی سے نام ہے ہندوستان کا آج — یاں ختم انتخاب ہے کون و مکاں کا آج
آوازہ ہے وہ طوطیٔ (خسرو) شکرفشاں کا آج — بلبل (داغ) چہک رہا ہے اسی گلستاں کا آج

گویا کہ ناطقہ کو یہیں سے زباں ملی
اہلِ زباں کو خوبیٔ طرزِ بیاں ملی

ہیں ابتدا سے دہلی و دربار جان و تن — ہوتی ہے منعقد یہیں شاہانہ انجمن
دربارِ شاہجہانی کی وہ عظمتِ کہن — دربارِ قیصری کی وہ شوکت وہ بانکپن

اب ایڈورڈ ہفتم گیتی پناہ کے
جھنڈے گڑے ہیں دولت و اقبال و جاہ کے

دہلی کے سر پہ سہرا ہے اس افتخار کا — حصہ میں اس کے آیا شرف روزگار کا
وہ دبدبہ ہے بارگہِ نور بار کا — فرقِ ادب جھکا ہے ہر اک تاجدار کا

دربار باوقار کی وہ آن بان ہے
گر اس کو شاندار کہیں کسرِ شان ہے

دربار سے ہے شوکت و سطوت کی آب و تاب — دربار سے ہے جلوۂ دولت کی آب و تاب
دربار سے ہے ہند کی عظمت کی آب و تاب — دربار سے ہے صنعت و حرفت کی آب و تاب

ہیں آشکار خوبیاں حسنِ وجود کی
دیکھی نہ ہوگی ایسی نمائش نمود کی

گر یادگارِ دہر ہے دربارِ قیصری — ہے اسکی بعدیہ جہاں جلوہ گستری
وہ بارگاہِ مطلعِ انوار برتری — زیبا ہے اس کو گر کہیں خورشیدِ خاوری

اہلِ نظر نے آنکھوں سے یہ بات مانی ہے
وہ نقشِ اولین ہے یہ نقشِ ثانی ہے

یارب ہے جب تک انجمنِ دہر باوقار — کرسی ہے اپنے پایۂ ہشتم پہ برقرار
جب تک سرِ سپہر پہ ہے مہر تاجدار — مرکز پہ تا رہے - کرۂ ارض کا مدار

قائم رہے یہ ظلِ شہنشاہِ ایڈورڈ
دشمن رہے مطیع و ہوا خواہِ ایڈورڈ

جب تک زباں میں نطق - دہن میں زباں رہے — حرفوں سے لفظ لفظ سے معنے عیاں رہے

جب تک رباعیٔ اطرافِ جہاں رہے جب تک کہ نظمِ عالمِ کون و مکاں رہے
دربار کے ہو ذکر سے شوکت بیان میں
رونق ہو اس کے نام سے بزمِ جہان میں

بس ختم کر شرر کہ ادب کا مقام ہے ناموزوں ایسے موقع پہ طولِ کلام ہے
مژدہ رساں! نویدِ حصولِ مرام ہو پہنچا سروشِ غیب کا فرخ پیام ہو
یعنے کہ سب دعائیں وہ مقبول ہو گئیں
کلیاں مراد کی جو تھیں! سب پھول ہو گئیں

کُندن لعل شرر (سہارنپوری)
تلمیذ جناب شعلہ فخر التلامذہ حضرت غالب

تہنیتِ جشنِ تاجپوشی

وہ اٹھی اقصائے مغرب سے گھٹا مستانہ وار چھا لئے مشرق کے بحر و بر و دشت و کوہسار
بادلوں کے ہیں وہ دل بادل کہ پیلانِ دماں توپخانے لیکے چلتے ہیں قطار اندر قطار
کیا مزے سے آ رہی ہے موجِ کافوری نسیم اور کیا نازوں سے چلتی ہے صبائے خوشگوار
مشک اڑاتی ہے خرامِ ناز سے بادِ شمال اپنے دامن سے لگا لائی ہے کیا دشتِ تتار
کوہ و صحرا ہو رہے ہیں رشکِ گلزارِ عدن ہے صبا عنبر فشاں اور ابر مروارید بار
غنچۂ گل کی شمیمِ لیلئے محمل نشیں آج دوشِ ناقۂ موجِ صبا پر ہے سوار
فیضِ نیساں سے ہوئی یکسر زمیں تیرہ گوں غیرتِ ارژنگِ چین و رشکِ نقشِ قندہار

گردِ کلفت رُوئے موجودات سے دھوئی گئی
آسماں کے دل میں بھی باقی نہیں کوئی غبار

ہوگیا رُوئے زمیں پر فرشِ شالِ کاشمیر
بن گیا سیلون سے تا چین باغِ شالامار

آج اے ہندوستاں اے گلشنِ جنت نشاں
ہے موافق تیرے دورِ گردشِ لیل و نہار

ریگ ہے تیری زرفشاں اور کوہ تیرے کانِ لعل
خاک ہے تیری عبیر اور مُشک ہے تیرا غبار

آج پھول پھل کر نکھرتے ہیں تیرے دشت و جبل
آج بن بن کر سنورتے ہیں ترے شہر و دیار

آج مل مل کر ہیں گاتے سارے مُرغانِ چمن
اور خوشی سے ہیں بجاتے تالیاں دستِ چنار

کھیلتے ہیں پھول اپنی ٹوپیاں سر سے اُچھال
اور لبِ جو جھومتے ہیں سرو و شمشاد و چنار

دلنوازی کر رہا ہے نغمۂ آبِ رواں
اور دمسازی میں ہے مشغول رودِ رودبار

مرحبا گلشن میں مرغانِ خوش الحاں کی صفیر
حبذا جنگل میں آوازِ سرودِ جوئبار

جس قدر برما سے ہیں تا گجرات تک شاہ و ملک
اور پا پامیر سے تا حیدرآباد و بہار

آج ہیں مست و خرابِ بادۂ عیش و سرور
آج ہیں محوِ جمالِ عشرتِ زیبا نگار

کیونکہ ہے یہ روزِ روزِ تاجپوشی حضور
قیصرِ ایڈورڈ ہفتم بادشاہِ کامگار

بادشاہِ انگلستاں قیصرِ ہندوستاں
صاحبِ طبل و لوا شاہنشہِ والا تبار

وارثِ تاج و نگینِ دولتِ برطانیہ
مالکِ ملکِ سکندر افتخارِ روزگار

شاہِ ہفت اقلیم و فخرِ بادشاہانِ زمن
یادگارِ قیصرہ۔ منصورِ مردِ کارزار

آسماں فر و ثریا شوکت و کیواں شکوہ
سایۂ لطفِ الٰہ و رحمتِ پروردگار

چشمِ مہر و ماہ ہے جسکی جلالت کی دلیل
اور دولت کی شہادت گردشِ لیل و نہار

شرق سے تا غرب ہے اور غرب سے تا شرق ہر
حشر تک ہوگا نہ اُس کے ملک پر خورشید تار

خوش ہو اے ہندوستاں اے بوستانِ لہلہا
اے بہین و بہترین الماسِ تاجِ شہریار

تیرے پیارے سے بادشاہ کی تاجپوشی کا ہو جشن
اپنا تحفۂ احقر جان و جگر کر دے نثار

اے زمینِ دہلیِ مرحوم اے یادِ سلطنت
اے غبارِ آسیائے گردشِ لیل و نہار

اے نشانِ عظمتِ دیرینۂ ہندوستاں
اے جلالِ بادشاہانِ سلف کی یادگار

کس خضر لب کی بدولت تو نے پائی زندگی
کس مسیحا دم کے دم سے ہو گئی تو جاندار

ہیں فضا میں تیری اتنے چتر لہراتے جو آج
کس ہما سایہ نے تجھ پر ہے کیا آخر گذار

تیری دیواروں کے سایہ میں ہوئی ہیں آ کے جمع
کیسے کیسے نامور اور کیسے کیسے تاجدار

ہر طرف سے ہے رسالوں اور فوجوں کا ہجوم
اور سمٹ کر آ رہی ہیں رجمنٹیں سیلاب وار

توپ خانے اور رسالے اپنے اپنے لیکے ساتھ
ہیں عساکر آ رہے تیرے ہزار اندر ہزار

جس طرح صحرائے اعظم میں ہیں ذرّے ریت کے
یا فضائے آسماں میں جیسے تارے بیشمار

چرخ پر پھیلے ہیں رنگا رنگ گالے ابر کے
آسماں پر بیرقوں کو یا اڑاتے ہیں سوار

ہر طرف تیار ہے سامان رزم و بزم کا
روز عید و جشنِ شاہِ کامران و کامگار

اِس طرف خرگاہ میں دربارِ قیصر کی بہار
اُس طرف میداں میں ہے آئینہ روزِ کارزار

تیری توپوں کی شلک سے گونج اٹھی دشت و جبل
تیرے باجوں کی صدا سے بول اٹھے شہر و دیار

ہے یہ سب یمنِ قدومِ کرزنِ عالی گہر
صاحبِ سیف و قلم ذی عزّ و جاہ و الاتبار

نائبِ سلطان گورنر جنرلِ ہندوستاں
انتخابِ روزگار و اختیارِ شہریار

ہے زباں اُس کی زبانِ بلبلِ باغِ فرنگ
ہے بیانِ پر فصاحت اُس کا بحرِ بے کنار

فقرہ فقرہ پر فدا شمشیرِ جوہر دار ہے
چشمِ گردوں نے کم ایسے دیکھے ہونگے لکچرار

اور بھی ہیں گو جہاں میں حاکمانِ نیک دل
تجھ سے نادر ہیں مگر اے کرزنِ عالی وقار

قحط و ناداری میں مخلوقِ خدا کا دستگیر
اور غریبوں کا ہی بیماری میں تو تیماردار

جانتے ہیں سب تری چشمِ عقابِ دوربیں
باز کو آساں نہیں کبک و کبوتر کا شکار

اُس حکومت کا نمونہ بے بدل ہی ایک تو
عدل اور انصاف پر ہے جس حکومت کا مدار

آج تو اے جلوہ بخشِ مسندِ شاہِ جہاں
ہند کا سرتاج ہے اور ہے جہاں کا افتخار

اور قیصر کی رعایا سب ہمہ تن شوق ہے
وقتِ مغرب ہو اذاں پر جیسے گوشِ روزہ دار

چشم مشتاقِ نظر اور کان مشتاقِ سخن — عاشقِ صادق کو دیکھیں آئے کیا پیغام یا

جشن شاہِ سعد ہے رفدِ سعید عید ہے — اور ہیں طالب کچھ سوا الطاف کے اُمیدوار

ہو نوا سنجِ سخن اور کوئی اچھا بول بول — اب نہیں رکھتا دلِ بے تاب تابِ انتظار

جب تلک شمس و قمر ہیں آسماں پر جلوہ گر — جب تلک قائم ہے دورِ سال و مہ لیل و نہار

ہے جہاں میں جب تلک نظمِ عناصر اور ہے — غازۂ رُوئے زمیں رنگِ خزاں فوبہار

نام روشن تیرا تسکین دلِ محکوم ہو — اور حاکم ہوں ترے نقشِ قدم پر استوار

عُمر ہو تیری دراز اور نام ہو تیرا بلند — تیری دولت ہو یہیں اور تیری شہرت ہو یہیں

وہ گلِ رعنائے شاخِ حسن زیبِ باغِ دہر — یعنے لیڈی کرزن اقبال مند و بختیار

جسکی ہیں ادنےٰ کنیزیں خوبی و عقل و تمیز — تیرے پہلو میں رہے دائم چناں طاؤس وار

برکتیں انگلینڈ کی ہندوستاں پر ہوں تمام
لُطف ہو اُس کا عقیدہ شکر ہو اسکا شعار

محمد صادق علی خان

تصوّرِ دلدار

تن میں جان آتی ہے جب تم مجھے یاد آتے ہو — اس زیارت کے میں قربان چلا جاتے ہو

اس کا ممنون ہوں تم لُطف جو فرماتے ہو — اس کا شکوہ ہے۔ الگ رہ کے جو تڑپاتے ہو

دلرُبا یادۂ اداؤں کا جو آتا ہے خیال — چیخ اُٹھتا ہوں "کہ بس کیوں نہیں آجاتے ہو"

دُور نظروں سے ہوئے ہو۔ تو تصوّر بھی ہوا — خوش تو کر جاتے ہو۔ پر آگ لگا جاتے ہو

سیّد نذیر حسین (انبالوی)

اضطرابِ شوق

(دکن سے دہلی کو)

اے رات جلد طے ہو۔ نہ کر دیر اس قدر | درپیش پرسوں شام کو دہلی کا ہے سفر
اے دن سمٹ کے چھوٹا ہو تو رات کی طرح | تاڑ اے شوق جلد ملاقات کی طرح
اے گھنٹے گھٹتے گھٹتے سمٹ کر منٹ تو ہو | تو بھی منٹ سمٹ کہ سکنڈ اک سمٹ تو ہو
وارو مدار رکھ نہ پرانے شمار پر | بجلی کے پر لگا کے تو اے وقت ۔ مار پر
گھوڑے کی اپنے باگ۔ نہ دے اسکو تھامنے | منگل سے پہلے کھینچ کے لا بدھ کو سامنے
رخصت ہو بدھ کہ آئے وہ شب جمعرات کی | مشہور نیک ذات مبارک صفات کی
شب ہے یہ شام ہی سے شبِ قدر کی طرح | ہے نور لالٹینوں میں بھی بدر کی طرح
اٹھے ہوئے دعا کو یہ سگنل کے ہاتھ ہیں | آہیں کو تار برقی کے کھمبے بھی ساتھ ہیں
لیجے بڑی دعاؤں سے وہ ریل آگئی | خشکی تری کی سختیاں سب جھیل آگئی
تکلیفیں ہم بھی جھیل چکے انتظار کی | بھرنے دو سیدھیاں ہمیں اب کوئے یار کی
اے ریل ۔ اپنے شعلے سے مجھ کو ڈرا نہ تو | یوں آگ اگل اگل کے تو بن اژدہا نہ تو
ہم پر تو اس طرح سے تو آنکھیں نہ لال کر | رکھ دیں گے ورنہ ہم تری آنکھیں نکال کر
یوں تو نہ بے رخی سے جھٹک ہم سے ہاتھ لے | دہلی کا گر ہے قصد ۔ تو ہم کو بھی ساتھ لے
آرام سے ہم اب تو گئے بیٹھ ریل میں | منماڑ سے ہیں جا رہے دہلی کو میل میں
سوچو اگر تو ریل ہے یہ اور نہ میل ہے | دل میں ہے دھوم شوق کی اک ریل پیل ہے
میداں میں فوجِ شوق کو جرنیل کی طرح | ہم لا رہے ہیں امڈے ہوئے سیل کی طرح
بادل کی طرح قلعۂ دہلی پہ چھا گئے | گوروں کی طرح فتح جدائی پہ پا گئے

شہباز کیا بتائیں تمہیں اب کہ کیا ہیں ہم
دیکھو کہ تختِ وصل پہ رونق فزا ہیں ہم

شہباز (از اورنگ آباد)

دارِ فنا

اے دن رات گنوانے والے
وقت کو مُفت اڑانے والے

ہوتے آئے ہیں اس دُنیا میں
اکثر مال خزانے والے

دارا جم اسکندر کیا تھے
آنے والے جانے والے

کھو بیٹھے اب نام ونشاں تک
شوکت وشان دکھانے والے

خاک ہوئے خود خاک میں ملکر
خاک سے بچکر جانے والے

ہو گئے اب روباہ سے کمتر
شیر سے آنکھ ملانے والے

کٹ گئے اکثر موسمِ گل میں
نخل جو تھے پھل لانے والے

اکثر چہرے نازک نازک
گل کی طرح کمھلانے والے

ہر دم زُلف بنانے والے
آئینے والے شانے والے

رشکِ پری کہلانے والے
حُور سے ناز اٹھوانے والے

عطر پہ عطر لگانے والے
جوبن پر اترانے والے

چل کے قیامت ڈھانے والے
حشر کو چال سکھانے والے

دیدۂ تر میں سمانے والے
پانی میں آگ لگانے والے

کوئی نہ ٹھہرا وقت جب آیا
چلدیئے آخر جانے والے

جو نہ گئے وہ جا کے رہینگے
سب ہیں مسافرخانے والے

دولت ثروت عزت حشمت | چھوڑ گئے سب جانے والے
ساتھ تو بہت کچھ لے گئے لیکن | کام میں وقت لگانے والے
بیچ بیٹھے جو عمر کی دولت | اب نہیں ہرگز پانے والے
دارِ فنا ہے دنیاء فانی | آنے والے ہیں جانے والے

محمد شوکت علی خان ۔ فانی ۔ بی ۔ اے

برسات

ہاں وہ آیا امڈ کے ابرِ سیاہ | اور چلنے لگی مچل کے ہوا
برقِ آتش فشاں ہے جلوہ فگن | کیا نرالی ہے چرخ کی یہ پھبن!
ہو رہے ہیں دھماکے رہ رہ کر | ڈر ہے بجلی نہ آ پڑے سر پر
نازنینوں میں کیا تماشا ہے | ڈر ہے وحشت ہے اک تہلکہ ہے
کوئی دہشت سے کانپ اٹھتا ہے | کوئی کانوں پہ ہاتھ دھرتا ہے
لو ٹپاٹپ وہ بوندیاں آئیں | کوندتی ساتھ بجلیاں آئیں
اب تو سن لو صدا چھما چھم کی | ندی بہتی ہے آبِ زمزم کی
موسمِ برشکال ۔ کیا کہنا! | تجھ سے سب کا ہے مرنا اور جینا
تیری آمد ہے آمدِ رحمت | تیری رحمت ہو باعثِ فرحت
تازگی اس چمن کی تجھ سے ہے | رونق اس انجمن کی تجھ سے ہے
تجھ سے ملتا ہے کھیتوں کو پانی | تجھ سے ہوتی ہو ساری ارزانی

تو نہ ہو تو دھرا ہے کال ہی کال — بن ترے زندگی ہے امرِ محال
تیرا ہی ہر طرف اُجالا ہے — جو ہے گودوں کا تیرے پالا ہے
کس نے بخشی درختوں کو زینت — اور زینت کو جذبۂ اُلفت؟
غنچہ کو پل کو۔ غنچے کو بو باس — پھول کو پھل۔ پھلوں کو طرفہ مٹھاس؟
کس نے بھر دی گلوں میں رعنائی — ہو گئیں بلبلیں جو شیدائی؟
ہمہ از اوست کا یہ مضموں ہے — ذات برسات! تیری بیچوں ہے
کیوں نہ ہو تو ہے مظہرِ یزداں — تیری بوندیں ہیں گوہرِ عرفاں
برق میں اِک جھلک یہ طور کی ہے — ابر میں اِک چھلک طہور کی ہے

شہاب بھاگلپوری

کمالِ حُسن

(از میر نذیر حسین احمد صاحب بی۔ اے۔ انبالوی)

ہائے وُہ چست بدن اور وُہ بالا جوبن — ہائے وہ بانکا سنگار اُس پہ وُہ بیساختہ پن
قد وُہ رعنا کہ اگر سامنے ہو سروِ چمن — صاد اس پر ہی کریں جمع ہوں جو ماہرِ فن
سر وہ خوش وضع کہ انسان اُسے دیکھا ہی کرے — اُس پہ چمکیلے سیاہ بالوں کی پیاری وہ پھبن
وُہ جبیں۔ ماہ جسے دیکھ کے شرما جائے — وُہ بھویں تند و غضب جن میں کمانوں کا چلن
آنکھیں وُہ قہر کہ صدقے ہوں غزالانِ ختن — تیز وہ پلکیں کہ نکلے نہ کبھی دل سے چُبھن
نگہِ لُطف وہ میٹھی چھری جو ذبح کرے — نگہِ قہر وہ بجلی کہ عبث سارے جتن
کان وُہ کان کہ پیچیدگیِ گُل قرباں — گال وہ گال۔ تصدّق ہو گلوں کا جوبن

ناک وہ پتلی نکیلی کہ بیاں سے باہر
لبِ نازک وہ کہ ہو لعلِ یمن اُن سے خجل
مسکراہٹ کا وہ عالم کہ ہو ظلمت روشن
دیکھ لے ہنستے ہوئے۔ دانتوں کی اسکی جو بہا
ٹھوڑی وہ ٹھوڑی کہ سیب اُس کے مقابل ناچیز
ہنس کو ناز ہے کچھ اپنے حسیں ہونے کا
وہ گلا نور کا۔ وہ لحن جو حسن پائے کوئی
باہیں وہ گول کہ مرمر سے صفائی بڑھ کر
سینہ وہ برف کا ہمشکل ستم کا وہ ابھار
وہ کمر پتلی۔ لچکنے سے ہوں فتنے برپا
ساق وہ ساق کہ بلور کو شوقِ نسبت
پائے نازک وہ کہ پڑ جائے نظر اُن پہ اگر
چال وہ چال کہ ہلچل سی پڑے۔ جائے جہاں
وہ ادا ناز وہ ٹیڑھا۔ وہ کرشمہ وہ چھب

نتھنے وہ تیز پھڑکنے میں ہوں جیسے کندن
غنچے تعظیم سے سر خم کریں وہ تنگ دہن
سامنے اُس کے اگر۔ شرم سے پانی ہو چمن
اوس پڑ جائے۔ مقابل نہ ہو پھر دُرِّ عدن
ڈوب کر اُبھرے نہ پھر دل کبھی۔ وہ چاہِ ذقن
منہ دکھائے نہ کبھی۔ دیکھ لے گر وہ گردن
مدتوں نکلے نہ کانوں سے کبھی اس کی بھرن
ہاتھ وہ نرم و سبک جی کو رہے جن کی لگن
شبِ مہتاب میں دو قُمقُمے ہوں جیسے روشن
آرزو ہو کہ لپٹیے اُسے جا کر فوراً
جان قربان کرے۔ دیکھ لے گر شمع لگن
گر پڑے دھم سے کوئی جان کے دیسی گرجن
مُردے اُٹھ بیٹھیں۔ ہویدا ہو قیامت کا چلن
دیکھ کر جانے لگے دل تو پکڑے دامن

ذہن وہ ذہن کہ دنیا میں ہوا کم ظاہر
فکر وہ فکر کہ پہلو کوئی بچتا نہ رہے
یاد وہ یاد کہ پھندے سے کوئی شے نہ بچی
وہ خیالِ ستم ایجاد کہ۔ کیا اور کا ذکر
عقل وہ عقل کہ اب تک کبھی دیکھی نہ سُنی
وہ تاثر۔ کہ مسرت میں سبھوں کی۔ شامل

کان ہاتھوں پہ پھریں فکر سے فہمِ تامِ زمن
وہ سریع اور صحیح۔ چال میں اشہب کا چلن
علم و فضل ایسا کہ معروف بہ اُستادِ زمن
بات وہ لائے کہ ششدر رہے یہ چرخِ کہن
مسکنِ رُشد و سلامت ہو۔ جلادت کا وطن
دیکھ کر رنج ہو بیتاب۔ ہو چاہے دشمن

امر بیجا پہ وہ غصہ کہ الٰہی توبہ! بھاگے مجرم - تو اماں پائے نہ تا چرخ کہن
لطف وہ لطف کہ انسان کو ہو شادیٔ مرگ ہو نظر ذرہ پہ یُوں ہی - تو ہو مہر روشن
الغرض حسن دلاویز وہ از سر تا پا ہر گھڑی جس کے تصور میں ہر کوئی مگن
طالع اُس شخص کا جس کو ہو وہ دیدار نصیب! قسمت اُس شخص کی آغوش وہ جس کا مسکن!

رام کہانی

(نتیجہ کلکِ ابو النصر غلام یسین آہ - دہلوی مقیم کلکتہ)

پہلے ہم بچے تھے اک نادان سے تھے بے نوا تھے بے سر و سامان سے تھے
بچپنے کے ہاتھ سے مجبور تھے رات دن کی کھیل میں مسرور تھے
پھر جوانی آئی تو آئی بہار خوب دیکھی گردش لیل و نہار
بے سر و سامانیاں جاتی رہیں اگلی آنا کانیاں جاتی رہیں
مستیاں سوجھیں ہوس کی مان لی ٹھان لی جو کچھ کہ دل میں ٹھان لی
جس نے ٹوکا بے تکلف کہدیا آخرت تو آئے دیکھا جائے گا!
"ساقیا برخیز در دہ جام را خاک بر سر کن غم ایام را"

علم سیکھا اور ہی کچھ ہو گئے! "رات کے جاگے ہوئے تھے سو گئے"
پھر نہ جاگے عمر بھر خواری ہوئی! قبر میں لیٹے تو بیداری ہوئی!
ایسی بیداری سے سونا خوب تھا! اور اس سونے پہ رونا خوب تھا!
"مردماں را سر بسر در خواب داں گشت بیدار آنکہ او در رفت از جہاں"

ایک ظاہر تھا نتیجا اور بھی
ایسے دیسوں نے اُڑایا اور بھی

"واہ کیا کہنے ہیں چہرا دیکھئے
رحمتِ حق کا تماشا دیکھئے

ابتو ہر مسجد کے منبر سج گئے!
اور کیا حضرت کے ڈنکے بج گئے!

آپ کوشش سے یہ رتبہ ملا
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

مل گئی تقدیر بھی تدبیر سے
آدمی سونا بنا اکسیر سے"

ماہرِ ہر علم حضرت ہی تو ہیں
حاجیِ تقلید و بدعت ہی تو ہیں

آپ کو سچوں میں سچا جانئے
جانئے اچھوں کو اچھا جانئے

ایسی باتوں سے بڑھا کبر و غرور
بڑھتے بڑھتے پڑ گئے رستے سے دور

پہلے رحمت تھے تو زحمت ہو گئے
خضر سے گمراہِ اُمّت ہو گئے

ہو گئے سرمستِ مہبائے خودی
بیخودی میں کچھ نہ سوجھی دور کی

جب ہوائے نفس میں رہنے لگے
آدمی کو آدمی کہنے لگے

خود پرستی کی طرح غفلت بڑھی
خود کو بھولے غیر سے اُلفت بڑھی

کاش ہم دلدار پر رکھتے نظر
"اعتمادے نیست بر علم و ہنر"

جب ہوئی اُس ابتدا کی انتہا
ہو گئی اِس انتہا کی ابتدا

انگلیاں اُٹھیں تماشا ہو گئے
چار سُو عالم میں رُسوا ہو گئے

ایک نے بڑھ کر کہا حضرت یہ کیا؟
آپ ہی ہیں ہادیِ اُمّت یہ کیا؟

خود کو بھولے اور خودی میں آ گئے
مُنہ بھی یوں آئے کہ مُنہ کی کھا گئے

آپ اپنی ذات سے ماہر نہیں
بات جو مخفی ہے وہ ظاہر نہیں

مولوی گشتی و آگاہ نیستی
خود کجا و از کجا و کیستی"

معرفت کیا چیز ہے فرمایئے؟ آپ سمجھے ہیں تو کچھ سمجھایئے؟
"ایں روا آں ناروا" دانی تو نیک تو روا یا ناروائی بیں تو نیک
تو ہمیدانی مجوز و لا یجوز! خود نمیدانی کہ حوری یا عجوز!

مرگ کے ظاہر نشاں ہونے لگے تیر سے حضرت کماں ہونے لگے
پر نہ سمجھے آپ کو یہ کیا ہوا! آپ کا کہنا مرا کہنا ہوا!
علم کے دُنیا میں جھنڈے گڑ گئے پھر بھی تو لینے کے دینے پڑ گئے
"صد ہزاراں علم دارد از علوم جانِ خود را مے نداند ایں ظلوم"

داغ دو کھائے ہیں رونا ایک ہے آنکھ کا ہونا نہ ہونا ایک ہے
"اے بسا عالم ز دانش بے نصیب حافظ علم است آنکس نے حبیب"
ہائے سب منطق کا جھگڑا ہیچ ہے یہ ہیچ ہے صغریٰ و کبریٰ ہیچ ہے
"عمر در محمول و در موضوع رفت بے بصیرت عمر در مسموع رفت"
زندگی صغرے ہے کبرے ہے ممات حدِ اوسط ہے عذابوں سے نجات
رہگیا باقی نتیجہ "وصلِ دوست" "ہر دو عالم یک فروغ روئے اوست"

"معرفت" کے لفظ نے سمجھا دیا اک خودی گم ہو تو ملجائے خدا
گھر سے نکلو شکل دیکھو راہ کی معرفت ہے نفس سے اللہ کی
خود کو پہچانو تو اس کو جان لو
مان لو اے آہ کہنا مان لو

ہمّت و تدبیر

ایک مناظرہ

تدبیر یہ ہمّت سے لگی کہنے بہ تکرار　　مَیں صاحبِ خانہ ہُوں تو ہے میری پسِتا
ہمّت نے کہا اُس سے کہ بیہودہ نہ بَک یار　　حامی ہے خُدا میرا نہ کر مجھ سے یہ گفتا
مَیں وُہ ہُوں کہ ہر ملک کو تسخیر کیا ہے
کی جس پہ نظر صاحبِ توقیر کیا ہے

اِنسانوں سے دُنیا کا سفر مَیں نے کرایا　　ہر منزلِ دشوار کو آسان بنایا
بخشا شہِ مجاہ کا نادار کو پایا　　کر کرکے غلاموں کو شہنشاہ دکھایا
مانندِ پرِ کاہ بہت کوہ ہیں کاٹے
میدانوں میں انبوہ کے انبوہ ہیں کاٹے

جا پُوچھ کلَبس سے روایت کہ مَیں کیا ہوں　　پڑھ لارڈ کلائیو کی حکایت کہ مَیں کیا ہوں
یا حالِ نکلسن[1] سے ہدایت کہ میں کیا ہوں　　اللہ[2] کی شاہد ہے حمایت کہ مَیں کیا ہوں
آنکھیں کھلیں گر مجھ کو بوناپاٹ[3] سے پوچھے
معلوم ہو میں کیا ہوں جو لاکھاٹ[4] سے پوچھے

کیا شان ہے میری کوئی یونان سے پُوچھے　　رُوم و عرب و بربر و ایران سے پُوچھے
رُتبہ مرا تاتار سے توران سے پُوچھے　　ہاں میری حقیقت کوئی جاپان سے پُوچھے
شاہانِ جہاں غیرتِ جمشید کئے ہیں

---

[1] جنرل جان نکلسن ۱۲ [2] ہمّت کا حامی خدا مشہور ضرب المثل ہے ۱۲ [3] نپولین بوناپارٹ شہنشاہ فرانس ۱۲ [4] جنرل سر ولیم لاکھارٹ (سابق) سپہسالار افواجِ ہندوستان (کمانڈر ان چیف) ۱۲

رستم سے بہت زندۂ جاوید کئے ہیں

چنگیز[۱] ہی اور میں ایران میں پہنچی | نادر[۲] ہوئی مغلوں کے شبستان میں پہنچی
واں فتح تھی جس جنگ کے میدان میں پہنچی | آزاد تھے قیدی جو میں زندان میں پہنچی

محمود[۳] کا بہروپ بھرا ہند پہ آئی
اسکندرِ اعظم کو اٹھا سندھ پہ لائی

نصرانیوں سے بیتِ مقدس کو چھڑایا | پس پا کئے عاجز کئے اور نیچا دکھایا
توحید کا ڈنکا بسرِ رزم بجایا | شقۂ علمِ دینِ محمد کا اڑایا

کیا اپنی زباں سے کہوں جمہور سے سن لے
بابر سے ہمایوں سے تیمور سے سن لے

لونڈی مجھے اللہ کی شان آپ بتائیں | توہین کریں طعنے دیں صلواتیں سنائیں
احسان جو کئے میں نے وہ سب دل سے بھلائیں | اور درپئے تخریب ہوں درپردہ بنائیں

جو میں نہ یہاں ہوتی تو۔ تو چیز ہی کیا تھی
دنیا میں تجھے رہنے کی تمیز ہی کیا تھی

تدبیر رجز خوانیاں ہمت کی یہ سنکر | بولی کہ میں ہوں خادمہ تم ہو مری افسر
ارشاد جو تم نے کیا۔ ہو اس سے بھی برتر | سن لیجئے پر عرض مری کان لگا کر

یہ مانا کہ دنیا میں ضرورت ہے تمہاری
پر ساتھ ہی رہتی ہے ہماری بھی سواری

کہئے تو سہی آپ کہاں پہنچیں اکیلی | حاضر نہ تھی خاتون کی کس جا یہ سہیلی
تنہا کوئی بن میرے مصیبت بھی ہے جھیلی | سمجھائیے للہ شتابی یہ پہیلی

---

[۱] مراد از چنگیز خاں ۱۲ [۲] مراد از نادر شاہ ۱۲ [۳] سلطان محمود غزنوی ۱۲

حائل ہوا جب ایلپس[1] تو رہ کس نے بنائی؟
اُس کوہ کی کس نے تھی چڑھائی وہ چڑھائی؟

ہر حال میں ساتھ آپ کے دمساز رہی ہوں ہر مشورتِ خاص میں ہمراز رہی ہوں
دِکھلاتی ہر اک کام میں اعجاز رہی ہوں ہر معرکۂ جنگ میں جاں باز رہی ہوں
آپ اکثرِ اوقات میں ناکام پھری ہیں
میدانوں سے ہم ہی ظفر انجام پھری ہیں

بوالفضل[2] کو میں نے کیا دستورِ معظّم اکبر[3] کو ہر اک شخص کی نظروں میں مکرّم
مجھ سے ہی گھلارائتِ عزّیہ کا پرچم وکٹوریہ[4] کو بخشا بڑا حصّہ عالم
شاہانِ زمانہ کو ہے آپس میں ملایا
سُلطان[5] کے اور زار[6] کے جھگڑوں کو مٹایا

منچوریا کے قصّہ کو طے میں نے کیا ہے اور مصر پہ دیکھو تو قدم میرا جما ہے
مشہور جہاں مجھ سے ہی بسمارک[7] ہوا ہے افریقہ میں بوتھا[8] کو شرف میں نے دیا ہے
یورپ کی دوَل مجھ سے سرفراز ہوئی ہیں
سب قومیں غرض مجھ سے ہی ممتاز ہوئی ہیں

انگلنڈ میں مجھ کو گلڈسٹون[9] سے پوچھو بغداد میں جاکر ذرا ہارون سے پوچھو

---

[1] ایلپس اس دشوار گذار اور برف پوش پہاڑ کا نام ہے۔ جس پر سے فرانس کا مشہور عالی ہمت اور بلند حوصلہ شہنشاہ (نپولین بوناپارٹ) بہ حُسن تدبیر معہ سامان جنگ گذر سکا تھا ۱۲ [2] شیخ ابوالفضل مشہور وزیر باتدبیر شہنشاہ اکبر ۱۲ [3] شہنشاہ جلال الدین اکبر بانی دین الٰہی ۱۲ [4] جنابہ ملکہ معظمہ (مرحومہ) قیصرۃ الہند ۱۲ [5] مراد از سلطان المعظّم خلداللہ ملکہم ۱۲ [6] مراد از زار روس ۱۲ [7] پرنس بسمارک (آنجہانی) وزیر اعظم سلطنت جرمن ۱۲ [8] جنرل بوتھا کمانڈر انچیف افواج ٹرانسوال ۱۲ [9] مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم سلطنت انگلشیہ ضرورت شعری کے لحاظ سے گلڈسٹون لکھا گیا ۱۲

منصورِ دوانیقی و مامون سے پوچھو بقراط سے سقراط و فلاطون سے پوچھو

مہماں جو ترے ہیں وہ میرے زلّہ رُبا ہیں
حاکم جو ترے ہیں وہ مرے در کے گدا ہیں

دربار میں عزّت ہو اگر کچھ تو مجھے ہے سرکار میں وقعت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے
آفاق میں شہرت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے دُنیا میں لیاقت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے

ہے کوئی اگر صاحبِ تمیز تو مَیں ہُوں
دراصل ہے اکسیر کوئی چیز تو مَیں ہُوں

چُپ رہتی جو ہمّت تو بھلا تاب کہاں تھی فرمایا کہ کیوں لاف سے آلودہ زباں کی
کیا اپنی صفت آپ ہی کرنے میں ہو خوبی ہے بات وُہی جس میں نکالے نہ کوئی نقص

آ عقل سے پُوچھیں کہ بھلا کون بڑی ہے
ڈھیلی ہے تو ہے کونسی اور کون کڑی ہے

بی عقل کہ پردہ سے یہ سب بحث تھیں سُنتیں آسامنے کہنے لگیں دونوں گئی گذریں
لازم تھی یہی بات کہ تم ایکے سے رہتیں جب پھوٹ ہُوئی دونوں ہی کچھ کر نہیں سکتیں

تدبیر نہ شامل ہو تو ہمّت ہے جہالت
ہمّت کی نہ شرکت ہو تو تدبیر حماقت

علمدار حسین
(از ریاست پٹیالہ)

بزرگانِ عظیم آباد

(از نتائج طبع جناب معلٰے القاب میر علی محمد صاحب شاد۔ رئیس و آنریری مجسٹریٹ پٹنہ)

کدھر ہے خامۂ جادو نگار سحر بیاں — کدھر ہے فکر سخن سنج و ذہنِ عربدہ کار
کہاں ہے خاطرِ پژمردہ کچھ شگفتہ ہو — کہ چل رہی ہے کئی روز سے نسیمِ بہار
کدھر ہے او مرے چالیس سال کے مونس — کہ ایک دم نہیں تیرے بغیر دل کو قرار
رندھی ہے ایسی طبیعت کہ جی نہیں لگتا — لبوں پہ آہ ہے آنکھوں میں اشک و دل میں غبار
عدم سے آیا ہوں افسوس کس زمانہ میں — کہ جب خزاں ہوئی سارے مرے چمن کی بہار
وہ گل کہاں کہ معطر تھا جن سے ملک مرا — وہ گل کہاں کہ جو ہوتے تھے زینتِ دستار
کدھر گئے وہ سخن سنج و رتبہ دانِ ہنر — کدھر گئے وہ امیرانِ بادشاہ وقار
کہاں ہیں وہ جو سمجھتے تھے علم کی خوبی — جنہوں نے کسب کمالات کے کئے تھے شعار
ہیں جن کے نام کتابوں میں اُن کو جانے دو — امورِ ملک سے تھا مدتوں جنہیں سروکار
اُنہیں بھی جانے دو جو اِن کے بعد تھے رؤسا — سُنے ہیں اپنے بزرگوں سے جن کے خوب اذکار
میں ایسے نام بہ تفصیل تا کجا لکھوں — بھلا کہاں متحمل یہ مختصر اشعار
ملا ہوا ہے محلہ سے میرے دھولپورہ — پچاس[1] سے بھی زیادہ جہاں تھے فیل سوار
گنے ہوئے تھے یہاں سترہ امیر ایسے — کہ جن کی آمدنی ایک لاکھ بیس ہزار
تھے اُن میں بعض امیر[2] اِس طرح کے شائقِ علم — کہ جن کے پاس کتابیں تھیں جمع ساٹھ ہزار

[1] یہ تعداد قیاسی نہیں ہے بلکہ واقعی ہے ۱۲ [2] نواب باقر علی خاں اسلام خانی پٹنہ میں ایک معزز اور نامی رئیس گذرے ہیں جنہوں نے علم اور مطالعہ کتب میں عمر گذار دی اور شادی نہ کی ساٹھ ہزار کتابیں اُن کے کتب خانہ میں جمع تھیں اور سب پر اُن کے حواشی تھے ۱۲

رقم تھا ساری کتابوں پہ حاشیہ اُن کا / ذرا خیال کرو اِس کو یا اولے الابصار
جب اس بہار کے تھے صوبہ دار ہیبت جنگ / تو اُس زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں یہ آثار
غریب و مفلس و بے کس جو سخت تھے محتاج / کہ مانگ کھانے سے جن کو ہمیشہ تھا انکار
وہ آکے چوک میں رومال کو بچھا دیتے / کہ وقتِ شام اُمرا کا وہی تھا راہ گذار
تو خود یہ فیل نشیں بے سوال دیتے تھے / روپوں کا لگتا تھا آگے غریب کے انبار
غرض بھرے ہوئے رومال شب کو گھر آتا / کبھی نہ جاتا تھا خالی غریب کا یہ وار
روپے کی بکتی تھی گولوں میں چار من گیہوں / یہ حکم تھا کہ اسی نرخ پر رہے بازار
غریب ایک ٹکے میں پلاؤ کھا لیتا / دکانیں شہر میں اس کی تھیں بیحساب و شمار
کسی شریف کو پاتے جو اہلِ زر مفلس / اور اُس شریف کو ہوتا سوال سے انکار
تو پھینک آتے تھے صرّے روپوں کے اُس کے گھر / غرض بناتے تھے یوں اُس غریب کو زردار
یہ حال غدر کے پہلے کا ہے خدا کی قسم / جدھر کو آنکھ اُٹھاؤ یہ شہر تھا گلزار
ہوا ہے اتنے ہی دن میں یہ شہر کل ویراں / نہ سو برس ہوئے اس کو نہ پانچ سو نہ ہزار
مغل پورہ ہے نہ اب ہے محلہ دیوان / خرابہ ہو گیا سارے محل ہوئے مسمار
کہیں ہے کھیت کہیں ہو کھنڈر جدھر جاؤ / کئی ہزار مکانوں میں ہیں مکاں دو چار
وہ صورتیں متبرک وہ رکھ رکھاؤ اُن کے / مہذبانہ وہ باتیں وہ جاں فزا گفتار
وہ اُن کی وضع متیں اور لباس نورانی / وہ اُن کے عزم درست اور تلی ہوئی رفتار
وہ کان دار کلاہ آستیں قبا کی فراخ / وہ ان کے گھیتلے جوتے وہ پائنچے بردار
کسی کو نظم کا شوق اور کسی کو نثر کا ذوق / کوئی فقیہہ کوئی متقی کوئی ابرار
ہر اک کو وضع کا پاس اپنے دوستوں کا لحاظ / لبوں پہ خُلق کی باتیں دلوں میں صبر و قرار
وہ دوستوں سے عزیزوں کی طرح مل جانا / بُرائیوں سے کنارہ شکایتوں سے عار
ہر اک محلہ کے بانکے بھی اپنے رنگ میں مست / وہ اُنکے ہاتھوں میں سیفیں سروں پہ کج دستار

حضور کہ کے وُہ آغازِ گفتگو کرنا
قدم قدم پہ شریفوں کے جان و دل سے نثار

سنو غریبوں کی حالت امیر تو ہیں امیر
مجال کیا جو کریں اپنے حال کا اظہار

نہ نکلیں گھر سے جو نکلیں تو ساتھ اِک ذی کے
کہ اپنے ہاتھ سے جاتے نہ پائے اپنا وقار

لئے دیئے ہُوئے اور آبرو بنائے ہُوئے
کہ تا نہ سمجھے کوئی اُن کو مفلس و نادار

مہذب ایسے تھے جاہل بھی اُس زمانہ کے
پڑھے لکھے اُنہیں پہچان لیں یہ تھا دشوار

محاوروں میں وُہ شیرینیاں کہ حل علما
جو پوچھو کچھ تو بہ آہستگی کریں گفتار

متین و دلب و لہجہ وُہ مختصر باتیں
فضول گو نہ تعلّی کا اپنے کچھ اظہار

ہُنر کے آگے نہ سمجھیں وقار دولت کا
سب ایک حال ہیں کیا مفلس اور کیا نادار

نشست اُن کی دو زانو کنارہ تکیوں سے
نہ ہٹ نہ ضد نہ کسی بات میں کریں تکرار

شفیق مثلِ پدر کے سب اپنے چھوٹوں پہ
جو عمر میں ہو بڑا اُس کو مانتا سردار

لحاظ بھائیوں میں باپ اور بیٹے کا
یہ کیا مجال کہ مرکز سے بڑھ کے ہو گفتار

کمال والوں کو پوچھیں ثنا تو ہے کیا چیز
جو بے کمال ہو تحصیل کے لئے اصرار

سُنیں کسی کی ترقی تو خوش دلوں سے ہوں
نہ یہ کہ جل کے مہیا ہوں از پئے آزار

ہر ایک کام کا پابند منضبط اوقات
دلوں میں نفعِ خلائق کی فکر بے آزار

نسب اہلِ علم مسلمان ہوں کہ ہوں ہندو
سب اہلِ درد تھے سب تھے خلیق سب دیندار

ہر اک کو حفظِ مراتب کا تکملہ حاصل
ہر اک سے جُھک کے تعارف صغار ہوں کہ کبار

بہادری کا مزا اور سپاہیانہ وضع
جریب دستِ مبارک میں اور کمر میں کٹار

کوئی جگہ کوئی صحبت نہیں کہ ہوں نہ وہاں
مورّخ و شعرا و ادیب و نثر نگار

وُہ فصل و ماہ موافق وُہ غلہ جات ارزاں
نہ اس طرح کی وبائیں نہ موت کی بھرمار

گذر گیا وُہ زمانہ وُہ لوگ خاک ہُوئے
بہ چشم غور کرو غور یا اولے الابصار

خیال کھینچ کے لاتا ہے اُن کی تصویریں
کبھی جو پاتا ہے دِل میں غموں کے کچھ آثار

نظر میں آتی ہیں وہ صورتیں مگر موہوم — کہ جیسے خواب کا باقی رہے کسی کو خمار
نہ وہ طریق نہ وہ چال ہے نہ وہ خو بو — نہ وہ لباس نہ وہ خلق اور نہ وہ ہنجار
نہ صورتیں ہیں نہ وضعیں ہیں وہ نہ وہ ترکیب — نئے خیال نئے لوگ اور نئے آثار

ترجمہ شیکسپیئر

سین ۲ - جنگل کا دوسرا حصہ

(آمد بلقیس بمعہ جلیسوں کے)

بلقیس - آؤ پریو - آؤ پریو — ناچو پریو - گاؤ پریو
اچھلو ناچو کودو گاؤ — کالنگڑے کی تان سناؤ
چاندنی شب ہے تارے کھلے ہیں — کیسے چھٹکے - کیسے ملے ہیں
پھولا پھلا جنگل ہے سارا — گلشن ہے دریا کا کنارا
مست پپیہے بول رہے ہیں — مور پروں کو تول رہے ہیں
کوئل کی ہے کوک قیامت — محشر فتنہ - تازہ آفت
کونپل ہے شمشاد میں پھوٹی — نکھری ہوئی ہے ہر جڑی بوٹی
سبزی میں سبزی ہے ستم کی — رچپ چلا دی ہے شبنم کی
بکھری ہوئی شبنم کی ہیں لڑیاں — پھولی ہوئی پھولوں کی ہیں کلیاں
مہندی پھولی - گیندا پھولا — نرگس پھولی - لالہ پھولا
ٹیسو پھولا - کروندا پھولا — کتیکی پھولی - ہزارا پھولا
آنے لگیں چڑیاں وہ چمن کی — اجلی - نیلی - کالی - پیلی

سارا جنگل ان سے ہُوا پُر   اُڑتی ہیں پھرتی - پھر پھر پُھر پُھر
چھیڑتی ہے پتّوں کو صبا جب   ڈالیوں کو دیتی ہے ہلا جب
کونپلیں دست درازی کر کے   آتی ہیں اِن کے پروں کو چھونے
زن سے ہیں یہ اُوپر اُڑ جاتی   پتّوں کو ہیں ہوا بتلاتی
پتّے کرارے بنے پُھلکے   ہاتوں کو رہجاتے ہیں ہلکے
نیچے ہیں پھر اِن کو بُلاتے   ناچ کے - کُود کے - تالی بجا کے
پر یہ بھلا اب سُنتی ہیں کِس کی   ایسی ویسی - باد ہوائی
اور جلانے کو یہ جلون کے   کرتی ہیں ایجاد کرشمے
اُونچے سُروں میں ہیں تان لگاتیں   تِگنی کا ہیں ناچ نچاتیں
اے پریو ہے یہ وقت مزے کا   وقت نہ تھا ہرگز سونے کا
رات مگر ہے بہت اب آئی   آتی جمائی پر ہے جمائی
پلکوں پہ پلکیں گری پڑتی ہیں   نیند سے آنکھیں جُھکی پڑتی ہیں
تم سب مِل کر تان لگاؤ   دیکھوں مجھے جلدی سے سُلاؤ

ایک پری - زہریلی او کالی ناگن   نشّہ میں متوالی ناگن
بس کی گانٹھ اور زہر کی پڑیا   چمکیلی پھن والی ناگن
پتلی زباں یہ نوکِ سِناں ہے   تیری - کالی کالی ناگن
مات ہے یاقوتِ احمر کی   آنکھوں سے تیری لالی ناگن
بانکی نیلی چھب البیلی   اور سج دھج میں نرالی ناگن
چھیل چھبیلی نین رسیلی   مَن موجی ہریالی ناگن
تیرے کرشمے ہیں دیکھے بھالے   نیند کے ہم تو ہیں متوالے

سب مل کر - بھونرو چمکو - بلبلو چہکو   غنچو چٹکو - پھولو مہکو

کالے کالے بادلو آؤ — اُمنڈو - گھومو- گھیرو- برسو
نیند کے ماتو او متوالو — سوؤ - سوؤ - سوؤ - سوؤ
پیاری بھولی بھالی ملکہ — نیند میں او متوالی ملکہ
سوؤ - سوؤ - سوؤ - سوؤ — سوؤ - سوؤ - سوؤ - سوؤ

دوسری پری - بچھو اودے کالے کالے — کالے ترچھی ڈنکوں والے
اینڈ بیڑ کر چلنے والے — ڈنک ہیں جن کے برچھی بھالے
گوہ اور نیولے اور بس کھوپڑ — مکڑے بُننے والے جالے
چڑیا چنگن چیونٹی پنکھی — گھومتے پھرتے نالے نالے
پھولوں پر منڈلانے والے — کالے بھونرے کالے کالے
دور ہی رہنا - دور ہی رہنا — ہو تم ایک سے ایک نرالے
سارے کرشمے ہیں دیکھے بھالے — نیند کے ہم تو ہیں متوالے

سب ملکر - بر تو چپکو - بلبلو چہکو — غنچو چٹکو - پھولو مہکو
کالے کالے بادلو آؤ — اُمنڈو - گھومو - گھیرو - برسو
نیند کے ماتو او متوالو — سوؤ - سوؤ - سوؤ - سوؤ
پیاری بھولی بھالی ملکہ — نیند میں او متوالی ملکہ
سوؤ - سوؤ - سوؤ - سوؤ — سوؤ - سوؤ - سوؤ - سوؤ

ایک پری - بس بس! شہزادی جگ گئی ہیں — چپ - چپ! آرام کر رہی ہیں
جاگی ہوئی ساری رات کی ہیں — اب چین سے میٹھی نیند سوئیں
دیکھو - چپکے سے ہولے میں جاؤں — تم سب بھی کھسک چلو دبے پاؤں
کچھ دور پہ اک پری کھڑی ہو — پہرا پریوں کا ہر گھڑی ہو

محمد اظہر علی آزاد (کاکوروی)

شمع

کلامِ اقبال اوراقِ مخزن میں ویسے تو مقبول ثابت ہو چکا ہے - اور لوگ اُس سے ایسے آشنا ہو گئے ہیں - کہ تمہید کی ضرورت باقی نہیں رہی - مگر اس دفعہ حسنِ اتفاق سے ہمیں اُن کی دو ایسی نظمیں دستیاب ہوئی ہیں - جو الفاظ طرز ادا اور بندش میں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں - ایک تو فارسی الفاظ سے لدی ہوئی - توالی اضافات کا بوجھ سر پہ اُٹھائے ہوئے غالب مرحوم کے انداز کا نمونہ - آہستگی اور وقار سے چلتی نظر آتی ہے - اور دوسری سبکروی میں برق - سادہ الفاظ کا جامہ پہنے - اضافتوں کے زیور سے خالی - اپنی سادگی پر ناز کرتی ہوئی دل میں کھُبتی جاتی ہے - ایک کے خیالات پیچیدہ اور دقیق کے اخذ کرنے کے لئے ذہن کو فکر سے دست و گریبان ہونا پڑتا ہے اور معانی ذہن میں آ آ کر دامن چھڑائے لئے جاتے ہیں - اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ؎ بیا ورید گر ایں جا بود زباندانے - غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد - اور دوسری کی سیدھی سادی آرزوؤں کی تصویریں ہیں کہ دل پر نقش ہوئی جاتی ہیں - ایک فلسفیت اور تصوف کے سمندر میں غوطہ زن ہے تو دوسری تصور کے پر لگائے کوہ و بیابان - باغ و راغ کی سیر میں مصروف ہے - اور جو کچھ دیکھتی ہے - اس پر مصوری کا افسوں پڑھتی ہے - ہم اِن دونوں کو اس لئے یکجا چھاپتے ہیں - کہ مصنف کے دونو رنگوں کا اندازہ ہو جائے - جب کئی لوگوں نے اقبال کی مشکل پسندی کی شکایت کی - تو ہم نے اس اظہار رائے کو اُن تک پہنچا دیا - جو جواب اُنھوں نے دیا وہ یہی تھا کہ جہاں خیالات دقیق اور مشکل ہونگے - وہاں زبان کا آسان ہونا دشوار بلکہ ناممکن ہے - اِسی بنا پر وہ مرزا کی دشوار پسندی کو نہ صرف معذوری بلکہ ضرورت قرار دیتے ہیں اور یہی برہان اپنے مرغوب انداز کے حق میں رکھتے ہیں - انہوں نے دوسری نظم میں یہ دکھایا ہے - کہ آسان نویسی میں بھی بند نہیں - گو جن مسائل کا ہجوم اُن کے دل کے گرد رہتا ہے وُہ ہمیشہ آسان الفاظ کے لباس میں جلوہ گر نہیں ہو سکتے :-

تیری طرح سے میں بھی ہوں اَی شمع دردمند
فریاد در گرہ صفتِ دانۂ سپند!

دی عشق نے حرارتِ سوزِ دروں تجھے
اور گل فروشِ اشکِ شفق گوں کیا مجھے

ہو شمعِ بزمِ عیش کہ شمعِ مزار تو ہر حال اشکِ غم سے رہی ہمکنار تو!
ان اشکباریوں میں طہارت کا راز ہے! کیسا وضو ہے یہ کہ سراپا نماز ہے!
یک بیں تری نظر صفتِ عاشقانِ راز میری نگاہ مایۂ آشوبِ امتیاز!
کعبے میں بتکدے میں ہے یکساں تری ضیا میں امتیازِ دیر و حرم میں پھنسا ہوا!
رانہ پسند ہے دلِ اندوہگیں ترا! کیا تجھ پہ مانۂ غمکدۂ دہر کھل گیا!
ہے شان آہ کی ترے دودِ سیاہ میں پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں!

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

جلتی ہے تو کہ برقِ تجلی سے دور ہے بے درد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے!
سمجھے کہ خامشی ہے مآلِ ضیائے شمع! اے وائے گفتگو ہے لبِ بے صدائے شمع!
خورشیدِ شب ہے جلوۂ ظلمت ربا ترا! تجھ کو بھی ہے خبر کہ یہ ہے چاندنا ترا؟
تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں دانائے بے قراریِ محشر اثر نہیں
میں جوششِ اضطراب سے سیماب وار بھی آگاہِ اضطرابِ دلِ بے قرار بھی!

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتشکدے ہزار!
جلتی اسی شرار سے ہے شمعِ ماسوا ساماں طرازِ ظلمتِ شب ہے یہ چاندنا!
یہ امتیازِ رفعت و پستی اسی سے ہے! خوشبو ہے گل میں بادہ میں مستی اسی سے ہے
بستان و بلبل و گل و بو ہے یہ آگہی اصلِ نظارہ من و تو ہے یہ آگہی

آزادِ دستبردِ بقا و فنا ہوں میں
گسستہ ہو یہ شرار تو کیا جانی کیا ہوں میں

صبحِ ازل جو حسن ہُوا دلستانِ عشق
آوازِ کُن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کُن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی
شامِ فراق صبح تھی میرے نمود کی!

وُہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
زیبِ درختِ طُور مرا آشیانہ تھا!

قیدی ہُوں اور قفس کو چمن جانتا ہُوں میں!
غربت کے غمکدے کو وطن جانتا ہوں میں!

جوں نے کمندِ نالۂ دل میں اسیر ہُوں!
فرقت میں نیستاں کی سراپا نفیر ہوں!

یادِ وطن فسردگیِ بے سبب بنی
شوقِ نظر کبھی کبھی ذوقِ طلب بنی

اے شمع حالِ قیدیِ دامِ خیال دیکھ!
مسجودِ ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ!

مضمُوں فراق کا ہوں ثریا نشاں ہُوں میں
آہنگِ طبعِ ناظمِ کون و مکاں ہُوں میں!

باندھا مجھے جو اُس نے تو چاہی مری نمود
تحریر کر دیا سرِ دیوانِ ہست و بُود!

گوہر کو مشتِ خاک میں رہنا پسند ہے!
بندش اگرچہ سُست ہے مضمون بلند ہے!

چشمِ غلط نگر کا یہ سارا قصور ہے
عالم ظہورِ جلوۂ ذوقِ شعور ہے!

یہ سلسلہ زمان و مکاں کا کمند ہے
طوقِ گلوئے حسنِ تماشا پسند ہے!

منزل کا اشتیاق ہے گم کردہ راہ ہُوں
اے شمع میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہُوں!

محمُود اپنے آپ کو سمجھا ایاز ہے!
کیا غفلت آفریں یہ مئے خانہ ساز ہے!

دردا کہ وہمِ غیر میں ہُوں میں پھنسا ہُوا!
آذر خلیل ہے بُتِ پندار کا ہوا!

صیاد آپ حلقۂ دامِ ستم بھی آپ!
بامِ حرم بھی طائرِ بامِ حرم بھی آپ!

میں حسن ہُوں کہ عشق سراپا گداز ہوں؟
کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں

ہاں آشنائے لب ہو نہ رازِ کہن کہیں
پھر چھڑ نہ جائے قصۂ دار و رسن کہیں

دل خار زارِ کم نگہی میں اُلجھ نہ جائے
ڈرتا ہوں کوئی میرے فغاں کو سمجھ نہ جائے

اقبال

ایک آرزو

دُنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہُوں یارب
کیا لُطف انجمن کا جب دِل ہی بُجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہُوں دِل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہُوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اِک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دِن گذاروں
دُنیا کے غم کا کانٹا دِل سے نکل گیا ہو

لذّت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

پتّوں کا ہو نظارہ میری کتاب خوانی
دفتر ہو معرفت کا جو گل کھلا ہُوا ہو

گُل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھکو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزہ کا ہو بچھونا۔
شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دِل میں اُس کے کھٹکا نہ کچھ ذرا ہو

صف باندھے دونو جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندّی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کوہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بنکر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہُوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گُل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دُلہن کو
سُرخی لئے سُنہری ہر پھُول کی قبا ہو

یُوں وادیوں میں ٹھہرے آکر شفق کی سُرخی
جیسے کسی گلی میں کوئی شکستہ پا ہو

پچھم کو جا رہا ہو کچھ اِس ادا سے سورج
جیسے کوئی کسی کے دامن کو کھینچتا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جسدم
اُمّید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے اُن کو کُٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سُو بادل گھرا ہوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی مؤذن
میں اُس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

ظلمت جھلک رہی ہو اس طرح چاندنے میں
جُوں آنکھ میں سحر کی سُرمہ لگا ہوا ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ میری دُعا ہو

دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو
سرسبز جنکی نم سے بوٹا اُمید کا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رُلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شائد اُنہیں جگا دے

سمجھیں مرے سخن کو ہندوستان والے
موزون ہو گئے ہیں نالے - سخن نہیں ہے

شمشاد گل کا بیری گل یاسمن کا دُشمن
ہو آشیاں کے قابل یہ وُہ چمن نہیں ہے

اپنوں کو غیر سمجھوں اس سرزمیں میں ہو کر
میں بے وطن ہوں میرا کوئی وطن نہیں ہے

وُہ مے نہیں کہ جس کی تاثیر تھی محبت
ساقی نہیں وہ باقی - وہ انجمن نہیں ہے

"در محفلے کہ یاراں شرب مدام کردند
چوں نوبتے بما شد آتش بجام کردند"

اقبال

انگریزی لباس

یہ مختصر سا مکالمہ ایک دل سوز قوم ناصح اور ایک نئے فیشن پر مٹے ہوئے خیالی نوجوان کے درمیان ہمارے مخدوم جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب سیشن جج - الہ آباد نے عنایت فرمایا ہے - ایک بڑے ضروری مسئلہ کو کس آسانی سے حل کیا گیا ہے :-

انگلش ڈریس انور کا جو کل بزم میں دیکھا
اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائیگا آخر کو تغیّر
تبدیلیٔ صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگیگا
شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بیگانہ وشی ہوگی عزیزانِ وطن سے
بنگلے میں نہاں ہوگے کہیں چھوڑ کے گھربار
فل تھم سے مساوات کی اُٹھینگی امنگیں
وہ زیست جو آسان تھی ہو جائیگی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے
ایک ایک کو دیکھیگا بہ اکراہ و بہ انکار
آخر کو رہو گے نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے
انگریز بھی کھنچتے رہینگے قوم بھی بیزار

انور نے کہا صلِّ علےٰ واہ بہت خوب
شک اس میں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں
اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی
وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جس میں ہوں ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور
اِس کے بھی بجا ہونے کا مجھ کو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاقِ حمیدہ کا تعلّق
فطرت میں ہے جو نیک وہ بد ہوگا نہ زنہار
اوضاعِ زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے
رُکتی نظر آتی نہیں دُنیا کی یہ رفتار
ہے جسکو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور
ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی
ہو ہیٹ و اور کوٹ و یا جبّہ و دستار
شُبہہ ہو مرے اِس قول کی صحت میں اگر ہو
سُن لیجئے سعدی کا یہ ارشادِ گہربار

حاجت بہ کلاہِ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار

اکبر

جوگی

ہمارے دوست چوہدری خوشی محمد صاحب نے مندرجہ ذیل دلپذیر نظم عنایت فرمائی ہے۔ اور ساتھ ایک خط لکھا ہے۔ جس سے یہ فقرات ہم اقتباس کرتے ہیں:۔ "میں نے تانگے کے جھکولوں میں یہ چند بند لکھے ہیں۔ گردِ راہ اور سفر کی خشکی نے کچھ غور و فکر کا موقعہ نہ دیا۔ سفر کی کلفت طبیعت میں وہ موج پیدا نہیں ہونے دیتی جو شاعری کے لئے ضروری ہے"۔ لیکن ہم جب نظم کو دیکھتے ہیں۔ تو گمان ہوتا ہے۔ کہ چوہدری صاحب کی شکایت کچھ بجا نہیں۔ یہ نظم کشمیر کی سرزمین کے سفر کا نتیجہ ہے۔ اور بعض اور مقاموں کے حضر میں بھی ایسا کلام نکلنا مشکل ہے۔ جو نقشے کشمیر سے واپس آتے ہوئے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ ان سب کا ظہور ان چند بندوں میں ہے۔ جوگی کے منہ سے وہ الفاظ نکلے ہیں۔ جو کسی بیابان نشین فقیر ہی سے سنے جا سکتے ہیں۔ اور اس پر سادگی زبان غضب ہے۔ گویا ایک جوگی کی بولتی چالتی تصویر ہے:۔

کل صبح کے مطلعِ تاباں سے جب عالم بقعۂ نور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نور ظہور ہوا

مستانہ ہوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبن تھی
ہر وادی وادیٔ ایمن تھی ہر کوہ پہ جلوۂ طور ہوا

جب بادِ صبا مضراب بنی ہر شاخِ نہال رباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و سمن طنبور ہوا

سب طائر مِلکر گانے لگے عرفاں کی تانیں اڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماعِ طیور ہوا

سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزمِ سرور سجائی تھی
بن میں گلشن میں آنگن میں فرشِ سنجاب و سمور ہوا

تھا دلکش منظرِ دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ

اِس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا ناظمؔ دیوانہ

چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کوہر نے قنات لگائی تھی
یہاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے نالوں نے دُھوم مچائی تھی
یہاں قلّۂ کوہ پہ رہتا تھا اِک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کی اور انگ بھبُوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیبِ کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلقِ خُدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی
جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جُھک کر میں نے سلام کیا
تب آنکھ اُٹھا کر ناظرؔ سے یُوں بَن باسی نے کلام کیا
کیوں بابا ناحق جوگی کو تم کِس لئے آکے ستاتے ہو
مَیں پنکھ پکھیرو بن باسی تم جال میں آن پھنساتے ہو
کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعوے گھوڑے ہاتھی کا
کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو سُنانے آتے ہو
ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے مُنہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لا کے وُہی پہناتے ہو
تم پُوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی

ہم جوت لگاتے ہیں من کی تم اُس کو آکے بجھاتے ہو
سنسار سے یہاں مُکھ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یہاں آنکھ لڑی ہے پیتم سے تم کس سے آنکھ ملاتی ہو
اُس مست قلندر جوگی نے جب ناظرؔ کو یہ عتاب کیا
کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا
ہیں ہم پردیسی سیلانی مت ناحق طیش میں آ جوگی
ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پر میل نہ لا جوگی
آبادی سے مُنہ پھیرا کیوں پربت میں کیا ہے ڈیرا کیوں
ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی
کیا مسجد میں کیا مندر میں سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا
پربت میں نگر میں ساگر میں ہر اُترا ہے ہر جا جوگی
جی شہر میں خُوب بہلتا ہے وہاں حُسن پہ عشق مچلتا ہے
وہاں پریم کا ساغر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی
وہاں دل کا غنچہ کھِلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی بازار میں دھونی رما جوگی

یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ع

ہوگا اِک یادگار آج کا دن ہے خوشی آج خُرم و شاداں
آج فرحت فزائے مردم ہے جلسۂ تاجپوشی سلطاں

قیصرِ ہند ایڈورڈِ ہفتم ہیں شہنشاہِ خسروانِ جہاں
آج پایا ہے ہند نے اعزاز سب ہیں مرہونِ منت و احساں
آج نابود ہستیِ غم ہے شاد و خرم ہیں آج پیر و جواں
آج کیا عید ہے رعایا کو! آج کے دن کے جائیے قرباں
آرزو آج پائی حسرت نے آج دل کا نکل گیا ارماں
آج ہے ہند شہرۂ عالم آج دہلی ہے فخرِ ہندستاں
مثلِ جنت ہے قدسیہ باغ آج باغِ ملکہ ہے آج رشکِ جناں
جامع مسجد ہے صورتِ کعبہ آج ہے اس طرف رخِ خاقاں

بختِ دہلی چمک رہا ہے آج
کیا قمر آج کیا مہِ تاباں!

بخت اکبرآبادی

دربارِ خوشی

(نتیجۂ کلک گہرسلک جناب حافظ فضل حق صاحب آزاد - رئیس ہائی پور و مالک و ایڈیٹر اخبار تاج)

جشن شاہانہ ہے منظور ہے اظہارِ خوشی اے خوشی تجھ کو مبارک ہو یہ دربارِ خوشی
دہلی دربار ہے یا گلشنِ جنت یارب اس گلستان کی ہوا بھی ہے گہربارِ خوشی
شکلِ گل آپ کھلا پڑتا ہے ہر غنچہ دہن لبِ نازک سے سنبھلتا ہی نہیں بارِ خوشی
ہے تقاضائے خوشی انجمن افروزِ نشاط عیش ہے عقدہ کشائے گرہِ کارِ خوشی
رنگ پر رنگ بدلتے ہیں خوشی کے کیا کیا گلرخوں کے گلِ رخسار ہیں گلزارِ خوشی
عوضِ لالہ و گل زیبِ چمن ہیں گلِ عیش خرمنِ گل کی جگہ ڈھیر ہیں انبارِ خوشی

آج سو جان سے ہے عیش طلبگارِ نشاط　　آج سو دل سے مسرت ہے خریدارِ خوشی
دیکے ہر خار کو اک مصحفِ گل ہاتھوں میں　　لیتی پھرتی ہے نسیمِ سحر اقرارِ خوشی
اک طرف دیکھ کے کانٹوں کی کھلی وہ زباں　　غنچۂ گل نے بھی کھولے لبِ اظہارِ خوشی
جھومتی آئی نسیمِ سحری گلشن میں　　نغمے کھینچے تو عنادل نے بھی سرشارِ خوشی
سرد ہے آتشِ داغِ جگرِ لالۂ باغ　　گرم ہے آج زمانے میں وہ بازارِ خوشی
ٹوپیاں غنچے اچھالیں تو بجا ہے سرِ مست　ق　گل کو سرکارِ خوشی سے ہے سروکارِ خوشی
تاجپوشی کی خوشی میں ہے زمانہ سرمست　　ہند و انگلینڈ ہر اقلیم ہے سرشارِ خوشی
بال باندھا ہے جہاں جشنِ مسرت کا غلام　　غم سے آزاد زمانہ ہے گرفتارِ خوشی
ہر گل و خار سے اک رنگِ مسرت پیدا　　آشکارا در و دیوار سے آثارِ خوشی
ہاتھ باندھے وہ چلے آئیں ابھی دہلی میں　　اس زمانے میں جو دانا ہیں طلبگارِ خوشی
آج مغموم کو بھی فرض ہے خوش ہو جانا　　گل خوشی اس کی وہ مجبور ہے مختارِ خوشی
تمبرِ اول اگر انگلینڈ میں تھی شیریں کار　　ہند میں قند مکرر ہے یہ تکرارِ خوشی
خارِ خارِ غمِ ایام کو ہے دعوتِ شوق　　عوضِ خونِ جگر کھائے غمِ خارِ خوشی
غم کا یہ کال پڑا ہند میں ماشاءاللہ　　اگلے غمخوار ہیں اب نامِ خدا یارِ خوشی
جم ہی جم جشن میں جمشید کے دیکھا ہو کہیں　　فلکِ پیر نے یہ رنگ یہ دیدارِ خوشی
آج بھی خوش نہ ہوا حیف جو محرومِ ازل　　تا ابد ہے وہ گنہگار گنہگارِ خوشی

جشنِ شاہانہ شہنشہ کو مبارک یارب
اور آزادِ سخن سنج کو گفتارِ خوشی

انسان کی فریاد

موجودہ زمانہ کی تعلیم پر اعتراض کرنیوالے کہا کرتے تھے کہ اس کا اثر اکثر نوجوانوں کو سکسر برباد دیتا ہے۔ وُہ دُنیا کے آراموں میں ایسے مستغرق ہوجاتے ہیں۔ کہ اُنھیں ہستی انسانی کے گہرے اور غور طلب مسائل کی طرف رجُوع کرنے کا میلان بھی نہیں ہوتا۔ وُہ فلسفۂ زندگی سے بالکل بے پروا رہتے ہیں۔ مذہب کی قدر اُن کے دل میں نہیں ہوتی۔ مگر طرفہ تماشا ہے۔ کہ تعلیم یافتہ طبیعتیں بالعموم اُن گہرے مسائل ہی کی طرف جھکتی جاتی ہیں۔ اور وہ اضطراب اور بےچینی جو اس عقدۂ لاینحل کے سُلجھانے کی دقتوں سے اُن کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے اشعار اور مضامین میں اپنا جوش نکالتے ہیں۔ جیسا کہ مضمون مندرجہ ذیل ہے۔ جو میر نیرنگ صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ کلام خود کہہ رہا ہے کہ ایک پُردرد دل سے نکلا ہے۔ اور دردمند دلوں کا جویاں ہے:-

کوئی ملتا نہیں ہے محرم راز ⁂ مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

ہاں اے مصاف ہستی! مت پوچھ مجھ سے کیا ہوں ⁂ ایک عرضۂ بلا ہوں ایک لقمۂ فنا ہوں!
نے مجھ کو جائے ماندن نے مجھ کو پائے رفتن ⁂ میں راندۂ قدر ہوں آوارۂ قضا ہوں!
مجبوریوں نے ڈالا گردن میں میری پھندا ⁂ خو کردۂ وفا ہوں جاں دادۂ رضا ہوں
جو میری حاجتیں ہیں ساری مصیبتیں ہیں ⁂ نکبت کی ابتدا ہوں شامت کی انتہا ہوں
صیاد حادثے کا کرتا ہے میرا پیچھا ⁂ مُرغ بریدہ پر ہوں صید شکستہ پا ہوں
ہے ذات میری مجمع ساری بُرائیوں کا ⁂ کہنے کو میں بڑا ہوں لیکن بہت بُرا ہوں
آزادیوں کی مجھ پر تہمت غلط ہے اے ہمدم ⁂ میں قیدی ہوس ہوں ہیں بندۂ ہوا ہوں
ایک بات ہو بتاؤں ایک درد ہو سُناؤں ⁂ روؤں بھلا کہاں تک کب تک پڑا کراہوں
فریاد کی اجازت مجھ کو نہ کوئی رُخصت ⁂ ظاہر ہمہ خموشی باطن ہمہ بکا ہوں

کمبخت دِل کچھ ایسا میں ساتھ لے کے آیا
ایک لمحہ جس کے ہاتھوں دُنیا میں سُکھ نہ پایا

جوجوش اِس میں اُٹھا حالات نے دبایا
جو شعلہ اس میں بھڑکا تقدیر نے بُجھایا

اُمید کا یہ غنچہ کھلتے کبھی نہ دیکھا
یہ آرزو کا پودا پھلتا نظر نہ آیا

دلسوزیٔ خلائق سو بار اِس میں آئی
ابرِ جنونِ اُلفت سَو بار اس میں چھایا

عزمِ رہِ اخوّت ہر اِک طرح سے ٹھانا
فیاضیوں کا بیڑا سَو سَو طرح اُٹھایا

گو اس میں موج زن تھی قوم و وطن کی اُلفت
لیکن غرض نے اس کو کچھ اَور ہی سکھایا

ہوتی نہیں رسائی اُمّید کے اُفق تک
طُولِ امل نے اس کو ایک جال میں پھنسایا

جو آرزو ہے اس کی ناکامیٔ ابد ہے
ارمان اس کا حرماں اُمّید اِس کی مایا[1]

پائی نہ رائے اس نے طاقت بقدرِ ہمّت
بے اختیاریوں نے یہ روزِ بد دکھایا

کی رہبرِ خرد نے ہر چند رہنمائی
اِس جہد پر بھی لیکن کُھلتی نہیں سچائی

پایا نہ میں نے اب تک مقصد کا اپنے ساحل
کی بحرِ معرفت میں دن رات آشنائی

اِس جستجو میں میں نے کی سیرِ طُور و ایمن
پربت کو گھر بنایا جنگل سے لو لگائی

مندر کو جا کے دیکھا گرجا میں جا کے ڈھونڈھا
مسجد کو چھان مارا اُس کی نہ دید پائی

جوگی کا روپ دھارا بن بن میں کیا گُذارا
تن پر بھبُوت مل کر دُھونی بہت رمائی

چپ تپ میں عُمر اپنی کی میں نے تیر اکثر
بن بن کے پیر راہب جا خانقہ بسائی

صُوفی بھی بَن کے دیکھا اور رند بے ریا بھی
کر نعرۂ اَنَا الحق ایک کھلبلی مچائی

پھرتی ہیں ماری ماری مشتاقِ جلوہ آنکھیں
پر ایک جھلک سے بڑھکر دیتا نہیں دکھائی

بے فائدہ ہے ساری یہ عقل کی تگا پو
تا منزلِ حقیقت ممنُوع ہے رسائی

---

[1] مایا فلسفۂ ویدانت کی اصطلاح میں دھوکے اور سراب کے سے معنے رکھتا ہے۔

اُٹھ جا نظر سے میری ہاں اَے حجابِ ہستی　　حُسنِ ازل نہاں ہے زیرِ نقابِ ہستی
یہ زندگیٔ انساں ایک خواب ہے پریشاں　　بیداریٔ عدم ہے تعبیرِ خوابِ ہستی
مَیں چاہتا ہوں ساقی نشۂ مَے فنا کا　　بیگانۂ خرد ہے مستِ شرابِ ہستی
طالب ہوں اب سکونِ دُنیائے بے نتیجہ کا　　یہ کشمکش کہاں تک اَے اضطرابِ ہستی
دیکھیں اگر تو کیونکر ہم جلوۂ معارف　　تو ظلمتِ نظر ہے اَے آفتابِ ہستی
تسکین کو زہرِ قاتل آب و ہوائے عالم　　راحت کا دشمنِ جاں ہر انقلابِ ہستی
یہ میرے دل کی حالت یہ میری رُوح کی گت　　کہلاؤں کس صفت پر میں انتخابِ ہستی
اَے تشنۂ حقیقت دھوکے میں تو نہ آنا　　ایک دامِ پُرخطر ہے موجِ سرابِ ہستی
چاہے اگر رہائی پیش از فنا فنا ہو　　پاداشِ جُرمِ ہستی ہے یہ عذابِ ہستی

نیرنگ

نامۂ حسرت

جناب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ اپنے ایک نئے منظوم خط کے جو طبع نہیں ہوا۔ جستہ جستہ اشعار ہمیں پرچہ کے لئے عنایت فرماتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ پڑھکر لوگ کہینگے۔ کہ باقی کیوں نہیں بھیجا۔ اور ایک جھلک دِکھا کر کیوں رہ گئے۔ ؎

قانع بہ تجلّی نہ شود شائق دیدار　　پروانہ بہ مہتاب تسلّی نتواں کرد

القاب

اَے مری جان بلکہ جانِ جہاں　　جانِ شیریں و رشکِ نورِ جہاں
تجھ سے زینت ہے بزمِ عصمت کی　　تجھ سے رونق ہے دِل کی خلوت کی

تیری آنکھوں میں جان کے جلوے — جن پہ قرباں جہان کے جلوے
غیرتِ غنچہ تیرا تنگ دہن — پھول جھڑتے ہیں جس سے وقتِ سخن
دونو لب دو نسیم کی موجیں — دل کو جنبش سے جو شگفتہ کریں

عرضِ مدعا

شوق بیحد ہے شرح کیا لکھوں — یہی بہتر ہے مدعا لکھوں
دلِ مضطر کا حالِ زار کہوں — ستم و جورِ انتظار کہوں

یادِ ایام

تیرا ہر بار وہ بگڑ جانا — اور منانا وہ اپنا گھڑیوں کا
عرق آلودہ چہرہ کی وہ دمک — اور عطرِ عود س کی وہ مہک
بھینی بھینی جوئی کی وہ خوشبو — اور چنبیلی کی نکہتِ دلجو
گرم فقروں پہ سر جھکا لینا — دونو ہاتھوں سے منہ چھپا لینا
میٹھے میٹھے وہ نیند کے فقرے — لینا انگڑائی آنکھیں مل مل کے
صبح کے وقت کا نرالا سماں — حسن کا سب لٹا ہوا ساماں
آنکھوں میں سرمہ کا یونہی سا اثر — بال بکھرے ہوئے وہ ماتھے پر
خوابِ نوشیں کی آنکھوں میں سرخی — کچھ کھلی کچھ بندھی ہوئی چوٹی
باسی پھولوں پہ اک اداسی سی — اور بو اُن کی بگڑی بگڑی سی
کیا ہوئیں وہ سرور کی راتیں — دیدہ افروز نور کی راتیں
جلد کیسے گذر گئے وہ دن — اِدھر آئے اُدھر گئے وہ دن

صبحِ رخصت

کیسی دلگیر صبحِ رخصت تھی — صبحِ رخصت کہ شامِ غربت تھی
گلے ملتی تھیں آرزوئیں بہم — دل کو تاراج کر رہا تھا غم
غم کی آمد خوشی کی رخصت تھی — اک تمنا ہزار حسرت تھی

رخصت

تیرا جانا بلا کا آنا تھا — کیا قیامت کا تیرا جانا تھا
ایک سکتہ کا مجھ پہ تھا عالم — آرزوؤں کا دل میں تھا ماتم
دل پر اک بیخودی سی تھی طاری — تھیں جنوں کی علامتیں ساری
ہر طرف بیکسی برستی تھی — بیکسی پر بھی بیکسی سی تھی

ہجر

اب عجب حال ہے طبیعت کا — دل کسی چیز میں نہیں لگتا
جان پر اضطراب طاری ہے — بیقراری سی بیقراری ہے
پچھلی حالت جو یاد آتی ہے — فرطِ وحشت سے جان جاتی ہے
دل ہے بیچین مضطرب ہی جگر — مجھ کو اس کی خبر نہ اس کی خبر

دعا

اے خدا پھر ہو وہ زمانہ نصیب — وصلِ محبوب سے ہو شاد حبیب
میرے گھر میں پھر آئیں اس کے قدم — خانہ بنجائے جس سے رشکِ ارم

پھر ہو عیش و نشاط کا چرچا نام باقی رہے نہ کلفت کا
فکر آئے تو اُس سے کہدے سرور ٹھہر و باہر کہ عیش میں ہیں حضور

حسرت شروانی

تازہ غزلیں

(از انتاج افکار جناب پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب مرزا - بی - اے)

راحتیں طولِ مرض کی صرفِ درماں ہو گئیں زندگی جن مشکلوں سے تھی وہ آساں ہو گئیں
صورتیں امید کی خوابِ پریشاں ہو گئیں سامنے آنکھوں کے آئیں اور پنہاں ہو گئیں
کچھ دنوں واعظ نے جنکا خود کیا تھا التزام اب وہ تکلیفیں سراسر جزوِ ایماں ہو گئیں
اُن سے کیا لطفِ تعلق اُن سے کیا دلبستگی غیر کے ماتم میں جو زلفیں پریشاں ہو گئیں
عالمِ غربت میں وہ یادِ وطن کی لذتیں رفتہ رفتہ نذرِ شوقِ خانہ ویراں ہو گئیں
بے مرمت سی جو قبریں کوچہ وحشت میں تھیں وہ بھی آخر صرفِ استحکامِ زنداں ہو گئیں
ناخنِ وحشت نے سینہ پر جو کیں گلکاریاں فصلِ گل میں زینتِ چاکِ گریباں ہو گئیں

چند باتیں وہ جو ہم رندوں میں تھیں ضرب المثل
اب سنا مرزا کہ وردِ اہلِ عرفاں ہو گئیں

دردِ محبت

کونسی راہ ہے جہاں تیرا ہی غل مچا نہیں جلوۂ حسن سے ترے کوئی بھی خالی جا نہیں

تم جو ہوئے جدا ذرا - ہوش یہاں بجا نہیں
جانتے میری جی کو ہو - صبر کہیں ذرا نہیں

اے دلِ ناصبور تو اتنا مجھے ستا نہیں
تم جا کہ اُن کے آنے میں عرصہ بڑا رہا نہیں

کونسی بات چھوڑ دی - کہنے تو کیا کیا نہیں
ظلم نہیں ستم نہیں جور نہیں جفا نہیں

ایسے ہو دل گرفتہ کیوں فضلِ خدا سے کیا نہیں
حسن نہیں - ادا نہیں - شرم نہیں حیا نہیں

وہ ہی مسیح دم یہاں آئیں - تو کچھ شفا بھی ہو
یہ وہ مرض ہے ہمنشیں - اس کی کہیں دوا نہیں

ایسا تو کوئی بھی نہ ہو - جیسے ہو تم ستم شعار
لطف نہیں - کرم نہیں - مہر نہیں - وفا نہیں

زاہدو - حسن دیکھ کے مر نہ مٹو تو بات ہے؟
تم تو ہو چیز کیا بھلا - اس سے کوئی بچا نہیں

اہلِ جہانِ کم نظر - مجھ سے نہ بدگمان ہو
حسن پسند پاک ہوں - فاسقِ بےحیا نہیں

سید نذیر حسین (انبالوی)

(از جناب سید محمد ضامن صاحب کنتوری خلف جناب سید محمد کاظم صاحب حبیب کنتوری)

دیکھی جھلک جو عشق کی کل بزمِ راز میں
تصویرِ مرگ پھر گئی چشمِ مجاز میں

شعلے لگے دہن سے نکلنے نفس کے ساتھ
قلب و جگر حریف بنے سوز و ساز میں

وحشت ہوس میں آگیا طوفانِ اشکِ شرم
برقِ فنا سے آگ لگی کشتِ آز میں

پائے شکیب ڈگنے لگے فرطِ خوف سے
ہوش و حواس چل دیئے اس ترکتاز میں

علم و عمل کا دفترِ پارینہ لٹ گیا
زہد و ورع لپٹ گئے سب جانماز میں

بھاگی سپاہِ عقل گئے ہاتھ پاؤں پھول
چوٹیں چلیں جو بیخودی و امتیاز میں

یکبارگی حجاب جو تھے دور ہو گئے
باقی رہا نہ فرق نماز و نیاز میں

منصب ملا جو شوق کو پھر احتساب کا
بحثیں شروع ہو گئیں مے کے جواز میں

بولا کہ حکم پیرِ مغاں جو ہو وہ کرو
خود داریاں نہ چاہئیں اہلِ نیاز میں

مانا کہ مے حرام سہی یہ حلال ہے
پینا پڑے گا خونِ جگر بزمِ ناز میں

دربارِ عشق میں جبھی ضامن ملے گا یار جب وسوسہ رہے نہ دلِ پاکباز میں

غزلِ حسرت

(بہ تقلیدِ اندازِ قدیم)

آشنا ہیں جلوہ ہائے عارضِ پُر نور سے کیا غرض ہم کو بیانِ ماجرائے طور سے
رات بھر ہوتی رہیں باتیں دلِ رنجور سے کچھ نہ پوچھو شغلِ ناکامِ شبِ دیجور سے
(ترجمۂ "از شغلِ ناکامِ شبِ دیجور مپرس")
واقفِ دیوانگی ہیں مائلِ جوشِ جنوں شوقِ سودا جا چکا اپنے سرِ پُرشور سے
کم نگاہی کب تلک ہاں آج اے پیرِ مغاں بیخبر کر دے عطائے ساغرِ معمور سے
پرسشِ عشاق کو سمجھے جو نقصِ دلبری کام مجھ کو آ پڑا ہے اُس بتِ مغرور سے
ہمنشیں وہ کیا ہوئے آغازِ اُلفت کے مزے پھر رُلا دے اُس زبانِ لطف کے مذکور سے
وہ سراپا لطف مفتونِ تغافل ہو گیا اور ہم رہنے لگے محروم سے مجبور سے
شکوۂ غم کی اجازت ہو۔ سو یاں وہ بھی نہیں ناک میں دم ہے دیارِ شوق کے دستور سے
ترکِ اُلفت پر بھی دل کی کچھ عجب حالت ہوئی دیکھ کر اُس کافرِ نا آشنا کو دور سے
اب کہاں وہ ولولے سیرِ چمن کے اے ہما اس قدر اصرار کیوں ہے عاشقِ مہجور سے

کیوں نہ ہوں اُردو میں حسرت ہم نظیری کے نظیر
ہے تعلق ہم کو آخر خاکِ نیشاپور سے

سید فضل الحسن حسرت (موہانی)

(از جناب آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی شاگرد ملک الشعرا جناب داغ دہلوی)

ٹھیس لگتے ہی خدا جانے اِسے کیا ہو گیا؟ | دل بھی مجھ کو اب ہتھیلی کا پھپھولا ہو گیا
پھر وُہی بے چینیاں ہیں مار ڈالا عشق نے | پھر کلیجہ ملتے ملتے درد پیدا ہو گیا
پھینک دو۔ کیوں انگلیاں بھرتے ہو دل کے خون میں | یہ تو اس کا کھیل ہے۔ تم کو اچنبھا ہو گیا؟
تم نہ آئے تو نہ آؤ۔ جان دیدی غیر کو | کام رُکتا ہے کسی کا۔ خیر جو تھا ہو گیا
دیدیا آنکھیں لڑا کر اُس پری پیکر نے جام | مَیں نشے میں چُور تھا ہی اور اندھا ہو گیا
کس ادا سے پُوچھتے ہیں میری صورت دیکھکر | یہ ترا کیا حال ہے دو دن میں کیسا ہو گیا
دیکھنا او سخت جانی پھر کہیں کا مَیں نہیں | مر ہی جاؤنگا جو ان کا ہاتھ جھوٹا ہو گیا
جھوٹی قسمیں کھا کے کیا تھا رب العلمین یار | لو خدا کی شان اُلٹا اور سچا ہو گیا
ہم تو اس ترکیب کے قائل ہیں اُف رے بانکپن | تم جو بگڑے اک نیا انداز پیدا ہو گیا
عیب پوشی کرتے ہیں اہل ہنر احباب کی | اِس سبب سے پھُول کے پہلو میں کانٹا ہو گیا
آہ! یہ بارِ امانت اور یہ مجھ سا نحیف؟ | کیا کروں بندہ بشر ہے۔ مجھ کو دھوکا ہو گیا

رکھ نہیں سکتا ہے شاعر اک غزل بھی فی البدیہ
یہ مری طبعِ رسا کو تازیانہ ہو گیا

کچکول

لکنت سے حرف جب لبِ قاتل میں رہ گیا | خُوں ہو کے اشتیاقِ سخن دِل میں رہ گیا
اُس صیدِ ناتواں کو کہاں تابِ اضطراب | جو سانس بھر کے دامنِ قاتل میں رہ گیا
ضبطِ نفس نے رخصتِ شور و فغاں نہ دی | خُوں ہو کے آہ و نالہ مرے دِل میں رہ گیا

دل کا نشان کچھ اس سے ملا برہمی کے بعد ٹوٹا سا کوئی جام جو محفل میں رہ گیا
قاتل نے وقت ذبح تڑپنے دیا نہ حیف کیا کیا نہ ولولہ دل بسمل میں رہ گیا

(حامد علی خاں بیرسٹر ایٹ لا) — (ذکی)

آپ ہی جور کریں آپ ہی پوچھیں مجھ سے یہ تو فرمایئے ہے آج طبیعت کیسی
دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغ بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

(شیخ محمد نصیب بیرسٹر ایٹ لا) — (داغ)

خوب رضواں سے در فردوس پہ جھگڑے ہوئے جب بت کافر کو میں دل میں چھپا کر لے چلا

(؍؍) — (؍؍)

قسم بھی وہ کبھی قرآن کی نہیں کھاتے یہ رشک ہے انہیں کیوں اس میں ذکر حور آیا

(؍؍) — (؍؍)

چٹکیاں لینے لگا کچھ دل میں درد عشق نے کم کم اثر پیدا کیا

(؍؍) — (؍؍)

کہتے ہیں جن کے حالت شب غم کوئی کیا جانے کیوں بسر نہ ہوئی
اور کیا تجھ سے ہم کہیں اے چرخ زندگی عیش سے بسر نہ ہوئی
لاکھ تڑپا کئے مگر احسان پرسش حالت جگر نہ ہوئی

(نورالدین عنبر) — (احسان شاہجہانپوری)

کچھ تمنائیں جو تھیں دل سے نکلنے کے لئے اشک حسرت وہ بنیں آنکھ سے ڈھلنے کے لئے

(؍؍) — (امیر ضامن علی جلال)

ہوگئے تیری محبت میں دل پہ جو گذرے شریک حال کوئی غمگسار ہو کہ نہ ہو
عطائیں دیکھ کے ہر دم خطا کی خو نہ چھٹی حجاب آئے میرے پروردگار ہو کہ نہ ہو

(؍؍) — (حبیب کنتوری)

کبھی ہیں خوش کبھی ہم اشکبار ہوتے ہیں   عجیب عشق کے لیل و نہار ہوتے ہیں
زباں سے اُف نہیں کرتے قتیلِ خنجرِ ناز   اداشناس ترے بُردبار ہوتے ہیں
چراغِ داغِ محبت بھی صبحِ پیری میں   خموش صورتِ شمعِ مزار ہوتے ہیں

(نورالدین عنبر)   (حبیب کنتوری)

آتشِ شمع میں ہو کیا اثرِ آبِ حیات   سارے پروانے جو بیتاب ہیں جلنے کے لئے

(،،)   (تُرک)

جب سرِ رہ وہ پری رو جلوہ فرما ہو گیا   کوئی مجنوں کوئی والہ کوئی شیدا ہو گیا
مُردے ہو جاتے ہیں زندہ چشمِ مستِ یار سے   ناتواں بیمار بھی دیکھو مسیحا ہو گیا

(،،)   (تُرک از دکن)

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا   جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے
مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس   زُلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کئے ہوئے
پھر ڈھونڈھتا ہے دل وہی فرصت کہ رات دن   بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کئے ہوئے
غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے   بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

(محمد انعام الحق)   (غالب)

ہم ہوں کہ نہ ہوں آہی رہیگا کوئی مُشتاق   اے چرخِ ستم پیشہ کچھ ایجاد کئے جا
فریاد ہو یا نالہ ہو یا آہِ جگر سوز   جو ہو سکے تجھ سے دلِ ناشاد کئے جا
گر خون نہیں ہے نہ سہی رسم ادا کر   اپنی سی تو او نشترِ فصّاد کئے جا
اے دل خمِ ابروئے صنم میں سحر و شام   کچھ بنہ گی حُسنِ خداداد کئے جا
جاتا ہے کہاں او غمِ جانانہ ادھر آ   ویرانۂ دل کو مرے آباد کئے جا

(مبارک علی۔ از مشہد)   (تسلیم)

دربار نمبر

ماہ دسمبر کا پرچہ اپنے معمولی وقت کے کسی قدر بعد یکم جنوری کو شائع کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس میں جو حصہ مضامین کا دربار دہلی کے متعلق ہے۔ اُس کا پورا لطف حاصل ہو۔ ان مضمونوں کے جمع کرنے میں بھی بہت کچھ محنت اٹھانی پڑی ہے۔ مگر جو دقت تصویروں کے جمع کرنے میں واقع ہوئی ہے۔ اُس کا ہمیں یہ ذمہ واری سر پر لیتے وقت گمان نہ تھا۔ ہمارے اہل وطن ابھی ان چیزوں سے مانوس نہیں ہیں۔ اور اکثر صاحبان نے عذر فرمایا۔ اور بہت اصرار کے بعد اُن کی تصویریں ہمیں ملیں۔ جو وقت پر بہم پہنچ گئی ہیں۔ وُہ چھپوا کر ایک مجموعہ کی صُورت میں پیشکش کی گئیں ہیں۔ مگر بہت سی تصویریں جو بے وقت ملی ہیں۔ وہ شائع نہیں ہو سکیں اور ان کے لئے ہمیں غالباً ایک دوسرا مرقعہ چھپوانا پڑے گا۔ جن حضرات کی تصاویر ہمارے پاس پہنچ گئیں ہیں۔ مگر دیر میں پہنچی ہیں۔ اُن کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔ ہم اُن کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اُن سے باادب درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ دوسرے مجموعے کے چھپنے تک انتظار فرماویں۔

حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب سابق ممبر پراونشل کونسل رئیس علی گڑھ

مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی رجسٹرار ہائی کورٹ حیدرآباد دکن

منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر و مالک پیسہ اخبار لاہور

مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سرسہ

مولوی حافظ فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی۔ رئیس بانکی پور

سید محمد کاظم حبیب صاحب کنتوری یادگار ناسخ مرحوم

سید محمد ضامن صاحب کنتوری خلف جناب حبیب

نہ ۃ

المشتہر منیجر مخزن

منشی محمد نادر علی صاحب نادر — کاکوری

ابو الکلام مولوی محی الدین آزاد صاحب — کلکتہ

مولوی ادریس احمد صاحب بی۔ اے — رام پور

منشی نور الدین عنبر صاحب — سری نگر

منشی محمد اظہر علی صاحب نایب تحصیلدار ضلع گورکھپور

ان حضرات کے سوا جن صاحبان نے ابتک تصویریں نہیں ارسال کیں۔ انسے التماس ہے کہ وہ اگر جلد بھیجدیں تو اُس دوسرے مرقع میں انکی شمولیت سے اوراق مخزن کی زینت بڑھ سکتی ہے۔

بعض حضرات کے مضامین بھی دربار نمبر کیلئے بہت دیر میں پہنچے ہیں۔ اُن کے بھی اس پرچہ میں شائع نہ ہو سکنے کیلئے ہم معافی کے خواستگار ہیں۔ کیونکہ باوجود حجم پہلے سے دُگنے کے قریب کر دینے کے بھی اُنکے مضامین پہنچتے تک رسالہ پُر ہو گیا تھا۔ اور حافظ فضل حق صاحب آزاد کے کلام دلکش اور حبیب کنتوری کی تاریخی نظم کیلئے تکلف سے جگہ نکالی گئی ہے چونکہ ان مضامین میں جو چھپ نہیں سکے کئی اب بھی ایسے ہیں جو دربار سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں جنوری کے پرچہ میں شائع کیا جائیگا۔ اور انصاف کی رو سے تو جنوری کے پرچے کو دربار نمبر ہونے کا ویسا ہی حق حاصل ہے جیسا دسمبر کے پرچے کو۔ کیونکہ تاریخ دربار دو مہینوں کے مقام اتصال یا سرحد پر واقع ہے۔ یہ وہ دن ہو کہ سال کہن سال نو سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو رہا ہے۔ اور اگر دربار سے مخصوص ہونیکا سارا فخر سال کہن کو مل جائے۔ تو سال نو کو شکایت ہو۔ اور بجا شکایت ہو۔ اس لئے انشاء اللہ تعالےٰ ماہ جنوری کا پرچہ بھی مضامین دربار کی دُرباری کی آب و تاب رکھیگا۔ اور کوشش کیجائیگی۔ کہ تصویروں کا دوسرا مرقع بھی اُس کے ساتھ تقسیم ہو جائے۔

جن احباب کا خیال ہے کہ جن حضرات کی تصاویر شائع کی گئی ہیں۔ اُن کے مختصر حالات بھی درج رسالہ ہو جائیں۔ چند کرمفرماؤں نے ہر ایک صاحب کے کچھ حالات عنایت بھی کئے ہیں اگر سب صاحبان

دربارِ دہلی

کی

تقریب پر

مخزن کا ایک خاص پرچہ غیر معمولی آب و تاب سے شائع کرنے کا ارادہ ہے - اس میں ہز مجسٹی شاہنشاہ اڈورڈ ہفتم قیصرِ ہند اور ملکہ الگزنڈرا - ہز اکسلینسی لارڈ کرزن اور لیڈی کرزن کی تصاویر ہونگی - اور اُنکے علاوہ ایک مرقع مضمون نگارانِ مخزن کی تصاویر کا ہوگا جس سے ناظرینِ مخزن کو اُن اصحاب سے جو اوراقِ رسالہ میں عموماً اپنے خیالات ظاہر کرتے رہتے ہیں غائبانہ روشناسی کا بھی موقعہ مل جائے گا - اور وُہ تصویریں جن میں ہندوستان کے اکثر اُبھرنے والے صاحبانِ تالیف و تصنیف کی تصویریں شامل ہیں - اس عالیشان دربار قیصری کی ایک نشانی رہینگی - اور جہاں اَور بڑی بڑی قیمتی اور دلچسپ یادگاریں اس شاہجہان آباد کے جشنِ قیصری کی قائم ہونگی - وہاں یہ ایک چھوٹی سی نشانی بھی اُس مناسبت کی بنا پر جو مخزن کو شاہجہان آباد کی زبان سے ہے - اس تاریخی واقعے کو یاد دلائینگی - اور بتائینگی - کہ ملک کے اخباری لٹریچر کی اُس وقت کیا حالت تھی -

یہ خاص دربار نمبر جو حجم میں بھی معمول سے زیادہ ہوگا - مخزن کے مستقل خریداروں کی خدمت میں بغیر کسی زائد قیمت کے بھیجا جائیگا - مگر جو صاحبان خریدار نہیں اور صرف یہی نمبر منگوانا چاہئیں - اُن سے آٹھ آنے فی پرچہ لئے جاوینگے -

اگر کوئی صاحب ۱۵ دسمبر سے پہلے پہلے کم از کم چھ ماہ کے لئے خریداری کی درخواست بھیجدینگے - تو وُہ بھی دربار نمبر "معمولی قیمت پر حاصل کر سکینگے *

المشتہر مینجر مخزن

پانچ ہزار روپے انعام

ممیرے کا سرمہ

پانچ ہزار روپے انعام

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولائت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یوروپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سُرمہ کی تصدیق فرمائی ہو۔ کہ یہ سُرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے :۔

ضعفِ بصارت۔ تاریکی چشم۔ دھُند۔ جالا۔ پڑوال۔ غبار۔ پھولا۔ سبل۔ سرخی۔ ابتدائی موتیابند۔ پانی جانا خارش وغیرہ

معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اب اس سُرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہو اور عینک کی حاجت نہیں رہتی۔ بچہ سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سُرمہ یکساں مفید ہو۔ قیمت اس لئے کم رکھی گئی ہو کہ خاص و عام اس سرمہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ **قیمت** فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہو مبلغ عہ دو روپیہ۔ ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ سعہ تین روپے۔ خالص ممیرہ فی ماشہ مبلغ عنعہ بیس روپے۔ مصری سُرمہ فی تولہ ۴ر چار آنہ۔ خرچ ڈاک بذمہ خریدار۔ درخواست کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔ نقلی و جعلی ممیرے کے سُرمہ کے اشتہاروں سے بچنا چاہیئے۔ **المشتہر** پروفیسر میا سنگھ اہلوالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

ان سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہوسکتی ہے

(۱) میں نے ممیرے کا سُرمہ جو کہ سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے ان مریضوں پر جن کی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کرکے دیکھا مفید پایا۔ میری رائے میں خاصکر ان مریضوں کے واسطے جن کے پانی جاری رہتا ہے اور دھند غبار کمزوری نظر ہو یہ سُرمہ نہایت مفید ہے۔ **راقم** ڈاکٹر برج لال گھوش رائے بہادر ایل۔ ایم۔ ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور و حال آنریری سرجن کمانڈر جنرل اسٹنٹ

(۲) میں نے آپ کا سرمہ آنکھوں کی بہت سی بیماریوں پر استعمال کیا بہت مفید پایا۔ خاصکر کاریتا اور گوہنجوڑ اور پتلیاں کی بیماریوں میں تو بہت ہی فائدہ مند ہے۔ میں آنکھوں کی ہر ایک قسم کی بیماری میں اس کے استعمال کرنے کی سفارش کرتا ہوں۔ **راقم** ڈاکٹر کاشی رام صاحب میڈیکل آفیسر شفاخانہ سرریاست نیپال۔

(۳) جناب سردار صاحب جو پیکٹ سُرمہ ممیرہ کا بغرض تجربہ آپ نے میرے پاس بھیجا تھا۔ اس کو میں نے اپنے چند مریضوں پر استعمال کیا بہت مفید پایا۔ میری رائے میں آپ کا ایجاد شدہ سرمہ سوزش چشم اور کمزوری نظر اور تو ندی کے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ **راقم** ڈاکٹر لچھمن داس صاحب پروفیسر میڈیکل کالج آگرہ ۔

(۴) جناب پروفیسر صاحب ! تسلیم۔ آپ کا سرمہ ایک مریض پر استعمال کیا۔ جس کو عرصہ سے دھند۔ ناخونہ تھا۔ کاسٹک لوشن وغیرہ سے بھی فائدہ نہ ہوا مگر آپ کے سرمہ سے ایک ہفتہ کے استعمال سے کل صحت ہو گئی۔ **راقم**

ڈاکٹر فوازش علی پنشنر مقام دیوبند

پانچ ہزار روپے انعام

اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمے کی سندات میں سے جو قریب بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کردے تو اسکو مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا انعام دیا جائیگا جو لاہور کے پنجاب نیشنل بنک میں اسی مطلب کے لئے ۱۹۰۹ء میں جمع کیا گیا ہو۔

تین نقشے

ایک روپیہ میں

آجکل حجاز ریلوے کے متعلق اخبارات میں بہت کچھ لکھا جارہا ہے اور اس لین کی تیاری کی خبریں روز بروز مشتہر ہوتی رہتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناظرین اخبار کو خاص دلچسپی اس ریلوے کے حالات اور اس ملک سے جس میں ہو کر وہ ریل گذریگی پیدا ہو گئی ہے۔ اور مسلمانوں کو خصوصاً بسبب مذہبی تعلق کے اور بھی زیادہ دلچسپی ہے۔ اس لئے حمیدیہ ایجنسی لاہور نے تین نقشے اپنے حمیدیہ پریس میں نہایت کوشش اور صفائی سے چھپوائے ہیں۔ ایک میں یورپی روم کی تمام ریلوے لینیں دکھائی گئی ہیں۔ اور ساتھ ہی مشہور مقامات جو اس پر واقع ہیں۔ دوسرے میں ایشیائی روم کی ریلیں۔ اور تیسرے میں مجوزہ حجاز ریلوے۔ اچھے کاغذ پر چھپے ہیں اور اس پر بھی تینوں کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ شائقین ایک سٹ منگوا کر دیکھیں اور اگر پسند ہو تو احباب تک بھی پہنچائیں۔

المشتہر

محمد انشاء اللہ مالک حمیدیہ ایجنسی و اڈیٹر و مالک اخبار وطن لاہور

بچوں کا اخبار

کارخانہ پیسہ اخبار سے یہ نیا ماہوار رسالہ بچوں کے خاص مطالعہ کے لئے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ پہلا نمبر ماہ مئی میں شائع ہو چکا ہے۔ معزز ہمعصروں نے پہلے پرچہ کو نگاہ پسندیدگی سے دیکھا ہے۔ اور متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ بچوں کا اخبار ملک میں بہت ضروری تھا۔ کوشش کیجائیگی کہ اسے ہر پہلو سے بچوں کے لئے دلچسپ بنایا جائے اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ تعلیمی فائدہ بھی حاصل ہو۔ افسران محکمہ تعلیم نے بھی اس ارادہ سے بہت ہمدردی ظاہر فرمائی ہے۔ مگر اس کی پوری کامیابی ملک اور اہل ملک کی قدردانی پر منحصر ہے۔ اس کی لکھائی چھپائی کی عمدگی کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحہ کا (۲۲×۱۸) کی تقطیع پر ہے اور اس کی قیمت سالانہ پیشگی عہ مع محصول ڈاک ہے۔ درخواستیں بنام مشتہر آنی چاہئیں۔

المشتہر

مینیجر

پیسہ اخبار۔ لاہور

آبزرور - لاہور

شمالی ہند میں مسلمانوں کی ملکی اور قومی اغراض کو حکام کی زبان میں حکام وقت تک پہنچانیکا یہی ایک ذریعہ ہے - ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے - بہت سے اعلیٰ یوروپین افسر اس کی خریداروں میں ہیں اور جو باتیں اس اخبار میں درج ہوں یقیناً حکام کی نظر سے گذرتی ہیں - ترتیب مضامین یہ ہے:- صفحہ اول (تار کی خبریں) کوئی دلچسپ مختصر کہانی یا مضمون جو عموماً یوروپین نامہ نگار کے قلم سے نکلا ہوا ہوتا ہے - اُردو اخبارات کے ضروری مضامین کے ترجمے - معاصرین کی رائے کے خلاصے، صفحہ دوم (لیڈنگ آرٹیکل) صفحہ سوم (ایڈیٹوریل نوٹ) صفحہ چہارم (ضروری ملکی خبریں خطوط وغیرہ) صفحہ پنجم (اسلامی دنیا کی خبریں - ممالک مغربی و شمالی کی خبریں (وغیرہ) صفحہ ششم (منتخبات) قیمت سالانہ عہ (غلام رسول مینجر)

دیوان حبیب

جناب سید کاظم صاحب حبیب کنتوری یادگار ناسخ مرحوم کے کلام معجز نظام کی منتخبہ صرف پہلا دیوان جو حیدرآباد کے مطبع شمسی میں طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ بک رہا ہے - یہ قابل ہے کہ شائقین سخن اسے حرز جان بنائیں اور اپنے کتب خانہ کی رونق اس دیوان سے بڑھائیں اس میں غزل کا رنگ بدل دیا گیا ہے اور غزل سے وہ کام لیا گیا ہے جس کی ضروریات زمانہ و ملک و قوم متقاضی ہیں - اس پر زبان ٹکسالی اور بندشیں علم بدیع و بیان کی پابندیوں کا ملتزمانہ پہلو لئے ہوئے استادان لکھنؤ کو یاد دلاتی ہیں - قیمت فی جلد (عا) مصنف سے معرفت مشتہران طلب کیا جائے -

المشتہران

سید محمد صدیق و سید محمد مظفر

حیدرآباد دکن کمنہ گوشہ محل - بنگلہ جناب مولوی

سید محمد کاظم صاحب حبیب کنتوری

کائستھ سماچار یہ ماہواری میگزین انگریزی میں الہ آباد سے بزیر ایڈیٹری مسٹر ایس سنہا بیرسٹر ایٹ لا بڑی آب و تاب اور قابلیت سے شائع ہوتا ہے - ملک بھر کے اخبارات نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ اس میں بیشتر حصہ ایسے مضامین کا ہوتا ہے جو عام پسند ہوں - اور ہر قوم کے لائق مضمون نگار اپنے انگریزی مضمونوں سے اس رسالہ کو رونق دیتے ہیں - اس پر خوبی یہ کہ قیمت نہایت ارزاں ہے - مگر پیشگی - مینجر کائستھ سماچار

خوشبودار تیل

تصویر میں ایک
عجیب طاقت ہے
بعض دفعہ تصویر منہ
سے بولتی ہے۔ اس
وقت یہ تصویر تو ایک
طرف اس کے لمبے
اور خوبصورت بال
خود سے ہمارے
خوشبودار تیل کے
استعمال کی سفارش
کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں جس قدر خوشبودار تیل مروج ہیں۔ وہ علی العموم سفید تلوں سے مختلف ذرائع سے خوشبودار بنائے جاتے ہیں۔ بنانے والے خوش اللہ یہ سیدھے لاعلم ہوتے ہیں۔ انکو بالوں کی ساخت دماغ کی تشریح اور دواؤں کی تاثیر معلوم نہیں ہوتی۔ بیچارے سنے سنائی لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ انکا دارومدار خوشبودار تیل میں بسا کر تیل کو فروخت کرنے پر ہے اور بس۔ اگر وہ جانتے کہ تل کا تیل دماغ کو خشک اور جلد و اعصاب کو خراب کرتا ہے تو آج یہ اندھیر نہ ہوتا کہ جسکو دیکھو بیوقت بال سفید اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں نزلہ و زکام میں مبتلا۔ ہم نے طبی اصول کے مطابق بالوں کی اصلیت طریق پرورش و روئیدگی و بالوں کے قیام وغیرہ حالات پر غور کر کے اور مندرجہ بالا قباحتوں اور موجودہ تیلوں کے اجزا مروجہ کے تمام نقصانات کو مدنظر رکھ کر خوشبودار تیل الکیسن ایجاد کیا ہوا ہے جسکے استعمال سے دماغ کو طاقت اور اعصاب و عروق کو مضبوطی ہوتی ہے۔ دردسر۔ دوران سر۔ سر کا چکرانا۔ یبوست کے ہونے سے کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ بالوں کی جڑیں تر رہنے سے بال خوب لمبے و نرم رہتے ہیں۔ چہرہ پر رونق اور سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بیماریاں جو چہرہ پر حدت گرمی سے پیدا ہوتی ہیں جن سے کلف و داغ پڑ جاتے ہیں۔ رک جاتی ہیں۔ منگا کر آزمائیے۔

پتہ: حکیم ڈاکٹر غلام نبی۔ لاہور۔ اعوان منزل

اگر آپ کو ضرورت ہو

تو کارخانہ نرائن سنگھ اینڈ سنز سوداگر ادویات و گھڑیاں وغیرہ

سے منگا کر آزمائیں وہ سوکا ہو گا

[illegible]

خضاب بہار شباب

یہ خضاب ڈاکٹر بی این بوز جی [illegible] ایم ایس اینڈ [illegible] نے ایجاد کیا ہے۔ جہاں آپنے اور خضابوں کو تجربہ کیا ہے اسکو بھی ایک دفعہ آزما دیکھئے۔ یقیناً ہمارے بیان کی صداقت اور اسکی عمدہ صفات آپکو عمر بھر کیلئے ہم سے تعلق پیدا کرا دینگی۔ ہمارا خضاب دو منٹ میں بالوں کو قدرتی بالوں کی طرح سیاہ چمکیلے ریشم جیسا بنا دیتا ہے۔ جو بال پیشتر سفید ہو چکے ہیں ان کے سوا اور سفید نہیں ہونے دیتا چنانچہ [illegible] خضاب عالم ہو چکی [illegible] اسناد موجود ہیں جو مفصل فہرست میں درج ہیں۔ یہاں صرف معزز اخبار وطن کی رائے درج کی جاتی ہے

معزز اخبار وطن ہمارے خضاب کی نسبت یوں

رقمطراز ہے۔ کہ مسرز نرائن سنگھ سوداگر ہال بازار امرتسر [illegible] اس خضاب کو ایک دوست نے بہت پسند کیا ہے دوست مذکور نے امریکہ سے وطن کی معرفت چند قسم کے خضاب منگوائے [illegible] خضاب کو ترجیح دیکر اسکی ایک درجن طلب کی۔

قیمت فی شیشی معہ برش وغیرہ

دو روپے

[illegible]

ستعمل ہو چکے ہیں۔ اسناد کے [illegible] مفصل فہرست کارخانہ منگوائیے۔

فی بکس [illegible] دو روپے

راسکوپ پیٹنٹ کی لیور گھڑیاں

[illegible]

ریلوے ریگولیٹر کی اینڈ واچ

[illegible]

سیر عنبری

[illegible]

حب ہاضمہ

[illegible]

ادویات کی مفصل فہرست مفت منگوائیے — گھڑیوں کی مفصل فہرست مفت منگوائیے

تمام خط و کتابت بنام تجارت دی پی

نرائن سنگھ اینڈ سنز سوداگر ادویات و گھڑیاں وغیرہ ہال بازار امرتسر [illegible]

کتب مؤلفہ حافظ عبد الرحمن صاحب امرتسری

(۱) عربی بول چال

جو لوگ عربی زبان میں گفت و گو کرنے اور مصر و شام کے عربی اخبارات پڑھنے کے خواہشمند ہیں۔ اُن کی سہولت کے واسطے یہ کتاب تالیف ہوئی ہے۔ ابتدا میں مفردات لکھ کر پھر ان سے جملے ترتیب دیئے گئے ہیں اور ہر قسم کی ضروریات روزمرہ کے متعلق سلسلہ وار مضامین درج ہیں۔ اور آخر میں اخبار المؤید اور ثمرات الفنون کے انتخابات درج ہیں۔ خاتمہ میں الفاظ جدیدہ کا ایک فرہنگ دو جزوں پر ملحق کیا گیا ہے۔ جو آجکل کے محاورات سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اور کل کتاب میں عربی کے مقابل اُردو ترجمہ کا التزام کیا گیا ہے۔ اُردو و انگریزی اخباروں کی رائیں اور مشاہیر علما کی تعریفیں اُس کی عمدگی کا کافی ثبوت ہیں۔ قیمت فی جلد ۱۲/

(۲) کتاب الصرف

اس کتاب میں عربی صرف کے مسائل زمانہ حال کے طریقہ تعلیم کے موافق لکھے گئے ہیں۔ مضامین کو سبقوں میں تقسیم کر کے اُن کا ایک سلسلہ مقرر کیا ہے اور ہر سبق کے ساتھ امثلہ مشقی اور سوالات امتحانی درج ہوئے ہیں۔ میزان الصرف سے لیکر شافیہ تک کوئی ضروری مسئلہ ایسا کم ہوگا جو اس میں درج نہ ہوا ہو۔ **قیمت** فی جلد ۷/

(۳) کتاب النحو

اس میں عربی نحو کے اکثر مسائل نحو میر سے لیکر ہدایت النحو تک اور کافیہ و فوائد ضمدیہ کے خاص خاص مسئلے مع تشریحات زائد ایک مناسب ترتیب کے ساتھ درج ہیں۔ سبقوں کی تقسیم اور امثلہ مشقی کا التزام کتاب الصرف کے موافق رکھا گیا ہے متعدد سبقوں کے بعد کچھ غلط جملے لکھ کر انکی تصحیح پر توجہ دلائی گئی ہے۔ **قیمت** فی جلد ۵/

نوٹ (۱) آخری دونوں کتابیں انجمن حمایت اسلام لاہور کے مدرسہ میں داخل درس ہیں۔

نوٹ (۲) یہ تینوں کتابیں مفصلہ ذیل پتہ سے مل سکتی ہیں:۔

حافظ عبد الرحمن امرتسر۔ ہال بازار

مخزن

لاہور سے ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے - ملک کے مستند اور مشہور نامہ نگاروں کے علاوہ ایک معقول تعداد نئے اور ہونہار اہل قلم کی اس کی اعانت میں مصروف ہے - یونیورسٹیوں کی ڈگریاں پائے ہوئے اصحاب جن کو اب تک ملکی علم ادب سے غافل سمجھا جاتا تھا - شوق سے اس کے بنانے میں شریک ہو رہے ہیں - اور کوئی رسالہ ایسا نہیں ہوتا جس میں کم از کم دو چار مضمون ڈگری یافتہ اصحاب کی طرف سے نہ ہوں - مضامین علم و دلچسپی کے ہوتے ہیں - اور کوشش کی جاتی ہے کہ ہر قسم کے مذاق کے لئے کچھ نہ کچھ ہر پرچہ میں موجود ہو - رسالہ کا حجم (۲۲×۱۸) کی تقطیع پر ربع سر صفحہ) ساٹھ صفحہ کا ہے - **قیمت** عمدہ دبیز ولایتی کاغذ پر بلا محصول تین روپیہ - اور دوم درجہ کے کاغذ پر دو روپیہ ہے - اس حجم کا کوئی اور اردو رسالہ ایسی لکھائی اور چھپائی کے ساتھ ان قیمتوں پر نہیں دیا جاتا - محصول ڈاک دونوں صورتوں میں ۶ آنہ سالانہ ہے - درخواست خریداری کے ساتھ پیشگی قیمت یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنی چاہئیے - مابعد کا کوئی حساب نہیں - نمونہ کے پرچہ کے لئے چار آنہ کے ٹکٹ آنے چاہئیں - شیخ عبد القادر مالک و ایڈیٹر

شرح اجرتِ اشتہارات

مخزن اشتہارات کے لئے ایک عمدہ ذریعہ ہے - اس کے خریداروں کی فہرست میں پنجاب کے لوگ بھی ہیں - اور صوبجات متحدہ و اودھ کے بھی - اضلاع دکن اور حیدرآباد میں بھی بکثرت بکتا ہے اور وہاں کو امرا اور رؤسا کی ایک کثیر تعداد اس کے قدر دانوں میں ہے - شمالی ہندوستان کے بھی معزز مسلمانوں کے اسمائے گرامی اس کی فہرست میں شامل ہیں - اس کے ذریعہ اشتہار دینے والے حضرات جلد اس کی قابلیتِ اشتہار کا اندازہ کر لینگے - ایک سہ ماہی کے لئے آزما کر اگر فائدہ نظر آئے تو سال بھر کا معاہدہ کریں - اجرتِ اشتہارات فی صفحہ سال بھر کے معاہدہ کے لئے ۳۰ - ششماہی کے لئے ۱۶ اور سہ ماہی کے لئے ۹ فی نصف صفحہ سال بھر کے لئے ۱۶ روپیہ - ششماہی کے لئے ۹ روپیہ - سہ ماہی کے لئے ۵ - اتفاقی اشتہارات کے لئے آرنی سطر - اس شرح میں کمی کی گنجائش نہیں +

شیخ عبد القادر مالک و ایڈیٹر